



# SHAMS-UL-ISLAM,

## BHERA (Pakistan)

ہر انگریزی ماہ کی گیارہ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

چند سالہ  
مذہب سے  
جس کا  
عرب

جلد ۱۹ نمبر ۱۹۲۸ء  
دارالافتاء دارالاحیاء  
کراچی

# شمس الاسلام

جلد ۱۹ نمبر ۱۹۲۸ء  
دارالافتاء دارالاحیاء  
کراچی

## سرمایہ کوئین

(از جناب ضیغم منگلوی)

میں چار یار پاک کی الفت لئے ہوئے  
رنگیں جمال حقیقت لئے ہوئے  
دیکھوں میں کاش گنبد خضرا کی تابشیں  
صدیقؑ مجھ سے ہیں بہت آج شاد شاد  
در بارِ پیغمبر میں عمر آ رہے ہیں آج  
بزمِ جہاں میں فضلِ خدا لئے کریم سے  
خیبر کی سمت جا لئے ہیں دامادِ مصطفیٰ  
ضمیغم ہے اب صحابہ کی روح و نشانہ کام  
دامن میں اپنے آج ہوں جنت لئے ہوئے

باہتمام علامہ حسین طبریز و پبلشر دیپنر منور بریلز سرگودھا سے چھپ کر بحیثیت پاکستان سے شائع ہوا

# شذرات عبر و عبر

تراداد

**لاہور میں خواتین کا مظاہرہ** | ۱۴ جنوری کو لاہور میں اسمبلی ہال کے سامنے شجر کے مغز و تعلیم یافتہ خواتین نے ارکان اسمبلی کے خلاف شاندار مظاہرہ کیا۔ اور مطالبہ یہ تھا کہ جو بیل عورتوں کے حقوق کے بارے میں شریعتِ ہل کے نام سے اسمبلی میں پیش کیا گیا ہو اس کو ضرور پاس کیا جائے اور کسی قسم کی تاخیر سے کام نہ لیا جائے۔ اخبارات میں جن جن خواتین شجر کے اسماء گرامی کا ذکر کیا گیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے سرکردہ اصحاب شہر اور اونچے درجے کے افسروں کی بیگیاہت نے اس مظاہرہ میں حصہ لیا اور وہ بڑی بے پردہی اور بے حجابی کے ساتھ سڑکوں پر گھومتی پھرتی رہیں۔ اور جب پولیس نے اپنی ڈیوٹی کی بنا پر ان کو اس طریق احتجاج سے روکا تو دوسرا مطالبہ یہ شروع ہوا کہ پولیس نے ہماری بے عزتی کی ہے اس لئے اب دوبارہ ہم اس کے خلاف احتجاج و مظاہرہ کرتے ہیں اور تمام ہنگامہ میں غریبے ہی لگاتے جا رہے تھے۔ کہ خدا و رسول نے ہم کو جو حق دیا ہے ہم وہ مانگتے ہیں یہ ہم بھی چاہتے ہیں کہ خدا و رسول نے عورتوں کے جو حقوق متعین فرمائے ہیں مردوں پر فرض ہے کہ ان حقوق کا پورا پورا خیال رکھیں لیکن ان بیگیاہت نشاہی نے خدا و رسول کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اور برقعے گھروں میں پھینک کر جس طریقہ سے اپنے حق کا مطالبہ کیا ہے وہ یقیناً ناجائز و نامناسب ہے جب یہ خواتین شجر خدا و رسول کا نام لیکر اپنے حقوق کا مطالبہ کرتی ہیں تو کیا اس وقت ان کو خدا و رسول کا یہ حکم یاد نہیں ہوتا کہ **وَقَوْنٌ فِي مِثْوَتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَاطْنَعْنَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ** اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیر زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔

یہی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت و کفر میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں اس بد اخلاقی اور بے حیائی کی روش کو قدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے۔ اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہرو اور زمانہ جاہلیت کی طبع کھل کر سن و حال کی نائش نہ کرتی پھریں اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا

المراة عورة فاذا خرجت استسترها | عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ گھر سے بلا ضرورت نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لوگوں کی نظروں کو لگا دیتا ہے۔ (ترمذی)

اور پھر اس کے ساتھ کسی قدر شرم و بے غیرتی کی بات دے دی کہ جو کہ اس مظاہرہ کے متعلق بعض اخبارات نے نقل کی ہے کہ جب مسلمان خواتین نے برقعے اچھال دیے تو ترقی کا یہ مظاہرہ کیا۔ تو غور و قافیٰ ترکی اخبار نویس یہ منظر اور خواتین اسلام کا یہ ترقی یافتہ اور مہذب مظاہرہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئے۔ اور اس نے عورتوں کو یہ طینان دلا کہ پاکستان کے کسی اخبار میں تو نہیں لیکن ترکی کے اخبارات میں لکھی تصویر جھینگلی ان عورتوں کی تصویر اتروالی ہم تو ابتداءً محنت ہی میں ان حالات کو دیکھ کر رونے لگے ہیں آگے آگے دیکھتے کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں | محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

## مسلمانوں کا علیحدہ کیلنڈر

۱۸ جنوری کے جلسہ لاہور میں تحریک مسلمانوں کے حقوق کے قیام کے لئے ہونے لگا تھا کہ ”قائد اعظم نے مطالبہ پاکستان کی وجوہات بیان کرتے ہوئے گاندھی جی سے کہا تھا کہ مسلمانوں کا مذہب جدا، تہذیب جدا، تمدن جدا، حتیٰ کہ مسلمانوں کا کیلنڈر اور جنتی بھی جدا ہے، ہمارا ٹکایہ ذہن کیلنڈر اور جنتی جدا ہونے سے اس طرف متعلق ہو گیا تھا کہ یہ فرمایا جا رہا ہے کہ مسلمان اپنے تمام معاملات میں قمری تاریخ سے حساب رکھتے اور سہ ماہی استعمال کرتے ہیں اور اس تشریح کے اعتبار سے کچھ غرض کیا گیا تھا آج ایک دوست نے فرمایا کہ آپ نے ان الفاظ کا اگر یہ معنی سمجھا ہے تو غلط سمجھا ہے۔ بلکہ اس سے تو مراد یہ ہے کہ ہندو تو وہ کیلنڈر چھپاتے ہیں اور فروخت کرتے اور کانون مکانوں میں لٹکاتے رکھتے ہیں جس پر گاندھی جی یا سوبھاش بابو یا جواہر لال نہرو کی تصویر ہو اور مسلمانوں کا کیلنڈر اس سے جدا ہوتا ہے اس لئے کہ مسلمان اس کیلنڈر کو طبع کرتے، بیچتے اور اپنے ہاں رکھتے ہیں جس پر قائد اعظم محمد علی جناح یا کسی دوسرے بڑے لیڈر کی تصویر چھپی ہوتی ہو اور اس نے اپنے اس قول کے لئے استدلال میں یہ کہا کہ دیکھو مسلمان اس جگہ کی عملی تفسیر اس طور پر کرتے ہیں جیسا کہ میں بیان کرتا ہوں اور صرف اس معنی کے اعتبار سے یہ قول صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔

واقعی جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ آج کل ”اسلامی کیلنڈر“ اس کیلنڈر کو کہا جاتا ہے جس کو چند بڑے لیڈروں کی تصویروں سے مزین کیا گیا ہو تو اس عمل متواتر نے جو بمنزلہ قطعی ہے میرے اس دوست کی تفسیر و تشریح کو برع قرار کرنا ہے ہذا میں اپنی اس تفسیر سے رجوع کرتا ہوں۔ مذہب اسلام کے رو سے اگرچہ اس قسم کے کیلنڈر اسلامی کیلنڈر کہلانے کے مستحق نہیں کیونکہ یہ تو ”برعکس ہند نام رنگی کافور“ والا معاملہ ہے مگر تا تو معلوم ہوا کہ اسلامی کیلنڈر یہ لوگ جاپانی ٹنگو میں ”مسلمانوں کا علیحدہ کیلنڈر“ استعمال فرمائیں تو اس سے مسلمان لیڈر کی تصویر والا کیلنڈر مراد لیا جائیگا

**میلاد النبی اور حیرا خاں** مدت سے مسلمان عید میلاد النبیؐ کو نہایت ترک و احتشام سے مناتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اس مبارک اجتماع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدس بیان کرتے رہے۔ اور مذہب اسلام کے اصول و احکام سے اغیار کو روشناس کرانے کیلئے ہر قسم سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ لیکن اس دفعہ پاکستان میں ”عید میلاد النبیؐ“ کی تقریب کو جس طرح منایا گیا اس میں تو وہ حد و حدود شرعیہ سے تجاوز کیا گیا اور جس قوم کے متعلق آج تک کہا جاتا رہا تھا کہ ہماری قوم ہر معاملہ میں اُس سے جدا ہے، ہماری تہذیب جدا ہے، ہمارا تمدن جدا ہے، ہمارا مذہب جدا ہے یہی قوم کے طریقہ کار اور اسی قوم کے تمدن اور اسی قوم کے مذہبی رسومات کی نقالی لگ گئی ہے۔ چنانچہ بہت سے شہروں میں دھوم دھام سے چراغاں کیا گیا۔ بجلی کے فتنے ہلانے لگے اور ہزاروں لاکھوں روپیہ اس طرح بے جا خرچ کر کے ضائع کیا گیا۔ آج کل تو ہر اس خیر اسلامی عمل کو ”اسلامی“ میں لگا کر پیش کیا جاتا ہے جو مسلمان کر رہے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ اس کو اسلامی ہتھیار نام رکھیں گے۔ نوزاد میں ضرور افشاں و من سیمائے اعمالنا۔ ہزاروں لاکھوں کی یہ رقم نذر آتش کر کے ذریعہ آتش بنانے کی جائے اگر ان در بدر ٹھوکریں کھانے والے پناہ گزینوں پر خرچ کیا جاتا تو آج بھی بھوکے شنگے مرگے لوگوں کی گلیوں میں پھر رہے ہیں یا کیمپوں میں سوی، بیماری کا شکار ہو کر لقمۂ اجل ہوتے رہے ہیں تو دکھانہ ہوتا۔

**قول و عمل کا تضاد** اب جبکہ عام طور سے پاکستان میں نظام اسلامی برپا کرنے کی تحریک شروع ہو گئی ہے۔ اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ دنیا کی تمام بے چین بیوں بے اطمینانوں اور پریشان حالوں کا علاج صرف اس قانون کے اجراء و نفاذ ہی میں ہے جو دنیا کے خالق و مالک نے اپنے سچے پیغمبروں کے ذریعہ نازل فرمایا ہے تو یہی ضرورت ہے کہ اس نظام پر ایمان رکھنے والے اور اس کی پکائی مادہ عینی کرنے والے صرف قول سے نہیں بلکہ عمل سے دنیا کی تمام قوموں کو یہ دکھادیں اور ثابت کر دیں کہ دنیا کی تمام بے یار قوموں اور جان بلب ممالک کیلئے ہم صرف یہی نسخہ شفا اور تریاق ہے۔ مسلمانوں کو نہایت کدہ ہر موقع

ہر ایسے اعمال و اخلاق کا مظاہرہ کریں جن سے فوج و جد یہ حقیقت دوسری قوموں کی قلوب میں جاگزیں ہوتی جائے کہ اسلام کا ضابطہ اخلاق اور قانون معاشرت و معیشت تمام بد اخلاقوں کو جڑ سے نکل سکتا۔ اور معاشرۃ انسانی کو اچھی بنیادوں پر استوار کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک ہماری قوم کی آنکھیں نہیں کھلیں۔ اور عام مسلمان تو کیا ہماری خواص ہی زبان سے تو اسلامی حکومت، اسلامی جمہوریت، ادھ اسلامی مساوات کا نام لے رہے ہیں اور اس طرح گویا دو ٹوروں کو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں اسلام کی عقیدت موجود ہے۔ اور ہم نظام اسلامی کے جاری کرنے کی فکر میں گھلے جا رہے ہیں۔ لیکن خود عملی حالت کو دیکھتے تو حیرانی ہوتی ہے کہ یہ حضرات کس قد ویدہ دیر سے کام لیکر ان اعمال میں منہمک و مشغول ہونے کے بجائے بھی یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ ہم اسلام کے نمائندہ ہیں۔ یہ شتر گریہ پن اور قول و عمل کا پین تضاد پر شعبہ میں موجود ہے۔

ہماری قیادت، ہماری وزارت، ہماری صحافت اور دوسرے ذمہ دار افراد و جماعتیں اس تضاد کا نوہ پیش کرتی رہتی ہیں۔ آپ ہمارے روزناموں اور سہ روزہ و ہفتہ وار اخبارات میں ایک صفحہ اسلام کی ترجمانی اور مذہبی عقیدت و محبت سے بھرے ہوئے مضامین و مقالات دیکھیں گے تو دوسرے صفحہ کو الٹ کر دیکھو گے کہ بالکل اس معنوں مذکور کے برخلاف ایک دوسرے طرز فکر اور مکتب خیال کے کسی صاحب کا تشبیہ مقالہ ہوگا۔ یا تو لادینی کی طرف لطیف پیرایہ میں ترغیب ہوگی یا سوشلزم و کمیونزم کی مداحی ہوگی یا روس کا کوئی ایجنٹ سوویت یونین کی سلطنت کے فوائد و ثمرات پر بحث کرتا ہوگا نظر آئے گا اور تیسرے صفحہ پر پھر آپ دیکھیں گے کہ سینماؤں کے اشتہارات ہونگے اور صنعت آذری کو فروغ دینے کے لئے جاذب توجہ عنوان قائم کر کے ملائے عام ہوگا چند روز ہونے کہ ایک روز نامہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوتا ایک شاندار مقالہ افتتاحیہ اس موضوع پر سپرد قلم کر دیا تھا کہ سینما ایک محض اخلاق اور تباہ کن چیز ہے اس کو ختم کرنے کی بڑی کوشش چاہئے دیکھ کر طبیعت بڑی خوش ہوتی لیکن جب دوسرے صفحہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ایک مقامی سینما کے ایک خاص فلم کا اشتہار جلی قلم سے دیا ہوا ہے جس میں پوری ترغیب دیدی گئی ہے کہ قارئین اخبار اس نادر موقع کو ضائع نہ کریں اور یہ فلم کم از کم ایک دفعہ ضرور اگر دیکھیں اور بے لطف اٹھائیں

مگر گستاخی صاف! یہ تضاد قول و عمل اور سینما پروری کا یہ جذبہ ماذقہ ان اصاغر ملی کا بر سے منتقل ہو کر آیا ہے۔ جب بڑوں کی بیگمات نئے نئے سینماؤں کا افتتاح کیا کرتی ہیں جب ان کی طرف سے صنعت قلم کو ترقی دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور آپ اخبارات میں روزیہ اعلان شائع ہوتے دیکھتے ہوئے کہ فلان سینما میں شہرۃ آفاق فلان فلم کو پیش کرنے کی رسم افتتاح بیگم..... کریں گی۔ اور اس کے باوجود جب اس بیگم صاحبہ کے فلان صاحب کسی جلسہ میں حکومت اسلامی جاری کرنے کا اعلان دیتے ہیں تو سارے مسلمان یقین کر جاتے ہیں کہ واقعی یہ صاحب اسلام کی بنیادیں قائم کریں گے تو اس تضاد کو برداشت کرنے اور قوم کی اس بے احساسی اور بے جا حسن ظنی کو دیکھ کر اخبارات والے بھی اسی رنگ میں اپنا کام کر رہی ہیں۔ اور قوم کو بڑھو بنا کر اپنی رہتیلی کٹی کر رہے ہیں۔ خدا یا تو اسلام کی غلط نمائندگی چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کر کے اسی کام لیتے رہو اور دیا پورے نمائندہ بن کر اسلامی طرز و انداز کی تقریر اور اسلامی طرز و انداز کے اعمال و اخلاق پیش کیا کرو (مدیر)

# اسلام کا معاشرتی نظام

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ایک نشری تقریر

**اسلامی معاشرے کا سنگ بنیاد !** اسلام کے معاشرتی نظام کا سنگ بنیاد یہ نظریہ ہے کہ دنیا کے سب انسان ایک نسل سے ہیں۔ خدا

نے سب سے پہلے ایک انسانی جوڑا پیدا کیا تھا۔ پھر اسی جوڑے سے وہ سارے لوگ پیدا ہوئے جو دنیا میں آباد ہیں۔ ابتداء میں ایک مدت تک اس جوڑے کی اولاد ایک ہی امت بنی رہی۔ ایک ہی اس کا دین تھا، ایک ہی اس کی زبان تھی، کوئی اختلاف اس کے درمیان نہ تھا، مگر جوں جوں انکی تعداد بڑھتی گئی، وہ زمین پر پھیلے چلے گئے اور اس پھیلاؤ کی وجہ سے قدرتی طور پر مختلف نسلوں، قوموں، اقدیلوں میں تقسیم ہو گئے، انکی زبانیں الگ ہو گئیں، انکے لباس الگ ہو گئے، رہن رہیں کے طریقے الگ ہو گئے اور جگہ جگہ کی آب و ہوائ نے ان کے رنگ و روپ اور خد و خال تک بدل دیے۔ یہ سب اختلافات فطری اختلافات ہیں، واقعات کی دنیا میں موجود ہیں اس لئے اسلام ان کو بطور ایک واقعے کے تسلیم کرتا ہے۔ وہ ان کو ٹٹانا نہیں چاہتا، بلکہ ان کا یہ فائدہ مانتا ہے کہ انسانوں کا باہمی تعارف اور تعاون اسی صورت سے ممکن ہے لیکن ان اختلافات کی بنا پر انسانوں میں نسل، رنگ، زبان، قومیت اور وطنیت کے جو تعصبات پیدا ہو گئے ہیں ان سب کو اسلام غلط قرار دیتا ہے۔ انسان اور انسان کے درمیان ایسے بیچ، شریف اور کمین، اپنے اور غیر کے جتنے فرق پیدا کر کے بنیاد پر کرتے گئے ہیں، اسلام کے نزدیک یہ سب جاہلیت کی باتیں ہیں۔ وہ تمام دنیا کے انسانوں سمجھتا ہے کہ تم سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہو لہذا ایک دوسرے کے بھائی ہو اور انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہو۔

**انتیاز اور وجہ انتیاز !** انسانیت کا یہ تصور اختیار کرنے کے بعد اسلام کہتا ہے کہ انسان اور انسان کے درمیان اصلی فرق اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ نسل، رنگ، وطن اور زبان کا نہیں بلکہ خیالات، اخلاق اور اصولوں کا ہو سکتا ہے۔ ایک ماں کے دو بچے اپنے نسب کے لحاظ سے چاہے ایک ہوں، لیکن اگر ان کے خیالات اور اخلاق ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو زندگی میں، فوٹو کی راہیں الگ ہو جائیں گی۔ اس کے برعکس مشرق و مغرب کے انتہائی فاصلہ پر رہنے والے دو انسان، اگرچہ ظاہر میں کتنے ہی ایک دوسرے سے دور ہوں لیکن اگر خیالات میں تعلق ہیں اور اخلاق ملتے جلتے ہیں تو انکی زندگی کا رستہ ایک ہو گا۔ اس نظریے کی بنیاد پر اسلام دنیا کے تمام نسلی، وطنی اور قومی معاشرہ کے برعکس ایک فکری، اخلاقی اور اصولی معاشرہ تعمیر کرتا ہے، جس میں انسان اور انسان کے ملنے کی بنیاد اسکی پیدائش نہیں بلکہ ایک عقیدہ ہے۔ ایک اخلاقی ضابطہ ہے جو وہ شخص جو خدا کو اپنا مالک اور مہبود مانتے اور پیغمبروں کی لائی ہوئی ہدایت کو اپنا قانون زندگی تسلیم کرے، اس معاشرے میں شامل ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ افریقہ کا رہے، خواہ وہ ایلو یا امریکا کا، خواہ وہ سامی نسل کا ہو یا آریہ نسل کا، خواہ وہ کالا ہو یا گورا، خواہ یہ ہندی ہو یا ہویا۔ جو انسان بھی اس معاشرے میں شامل ہوں گے ان سب کے حقوق اور معاشرتی مرتبے یکساں ہوں گے کسی قسم کے نسلی، قومی یا طبقاتی امتیازات ان کے درمیان نہیں ہوں گے، کوئی اونچا یا نیچا نہ ہو گا۔ کوئی چھوٹ چھات ان میں نہ ہو گی۔ کسی کے ہاتھ گنے سے کوئی ناپاک نہ ہو گا۔ شادی بیاہ اور کھانے پینے اور طبیعتی میل جول میں ان کے درمیان کسی قسم کی رکاوٹیں نہ ہوں گی۔ کوئی اپنی پیدائش اور یا اپنے پیشے کے لحاظ سے ذلیل یا کمین نہ ہو گا۔ کسی کو اپنی ذات پر ادا کی حاجت حسب نسب کی بنا پر کوئی مخصوص حقوق حاصل نہیں گے آدمی کی بزرگی اس کے خاندان یا اس کے مل کی وجہ سے نہ ہو گی بلکہ صرف اس وجہ سے ہو گی کہ اس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں اور وہ خدا ترسی میں دوسروں سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

**عالمگیر برادری !** یہ ایک ایسا معاشرہ ہے جو نسل، رنگ اور زبان کی حد بندیوں اور خد و خدائی برصوں کو توڑ کر دینے کے تمام خطوط پر چھیل سکتا ہے۔

اور اس کی بنیاد پر انسانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم ہو سکتی ہے، نسلی اور وطنی معاشروں میں قصود وہ لوگ شامل ہو سکتے ہیں جو کسی نسل یا وطن میں پیدا ہوئے ہوں۔ اس سے باہر کے لوگوں پر ایسے معاشرے کا دفاع بند ہوتا ہے مگر اس فکری اور اصولی معاشرے میں ہر وہ شخص برابر کے حقوق کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے جو ایک عقیدے کی ایک اخلاقی مٹا لے کو تسلیم کرے۔ رہے وہ لوگ جو اس عقیدے اور مٹا لے کو نہ مانیں تو یہ معاشرہ انہیں اپنے دائرہ میں نہیں لیتا، مگر انسانی برادری کا تعلق ان کے ساتھ قائم کرنے اور انسانیت کے حقوق انہیں دینے کیلئے تیار ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ماں کے بچے اگر خیالات میں مختلف ہیں تو ان کے طریق زندگی بہر حال مختلف ہوں گے، مگر یہ بچہ بھی نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی نہیں ہے، بالکل اسی طرح نسل انسانی کے دو گروہ، ایک ملک میں رہنے والے لوگوں کے دو گروہ بھی اگر عقیدے اور اصول میں اختلاف رکھتے ہیں تو ان کے معاشرے یقیناً الگ ہوں گے، مگر انسانیت بہر حال ان میں مشترک ہوگی۔ اس مشترک انسانیت کی بنا پر زیادہ سے زیادہ جن حقوق کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ سب اسلامی معاشرے نے غیر اسلامی معاشروں کے لئے تسلیم کئے ہیں۔

اسلامی نظام معاشرت کی ان بنیادوں کو سمجھ کر لینے کے بعد آئیے اب ہم دیکھیں کہ وہ کیا اصول اور طریقے ہیں جو اسلام کو انسانی مسائل کی مختلف صورتوں کیلئے مقرر کرتی ہیں۔

**انسانی مسائل کیلئے اسلامی اصول!** انسانی معاشرتی کا اولین اور بنیادی ادارہ خاندان ہے، خاندان کی بنا ایک مرد اور ایک عورت کے ملنے سے پڑتی ہے۔ اس ملاپ سے ایک نئی نسل وجود میں آتی ہے۔ پھر اس سے رشتے اور کنبے اور برادری کے دوسرے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور بالآخر یہی تیز پھیلتے پھیلتے ایک معاشرے تک پہنچتی ہے جو خاندان ہی کا ادارہ ہے، جس کی ایک نسل اپنے بچے کے لئے نسل کو انسانی تمدن کی پیس خدمات نبھانے کیلئے نہایت محنت و ایثار و دلسوزی اور غیر خواہی کے ساتھ تیار کرتی ہے۔ یہ ادارہ تمدن انسانی کے بقا کیلئے اور خود نکالنے صرف زندگی و شادی بھرتی نہیں کرتا بلکہ اس کے کارکن دل سے اس بات کے خواہشمند ہوتے ہیں کہ اپنی بچہ لینے والے خود اس کے بہتر ہوں اس بنا پر یہ ایک حقیقت ہے کہ خاندان ہی انسانی تمدن کی جڑ ہے۔ اور اس جڑ کی محنت و طاقت پر خود تمدن کی صحت و طاقت کا مدار ہے۔ اسی لئے اسلام معاشرتی مسائل میں سب سے پہلے اس کو مد نظر رکھتا ہے کہ خاندان کے ادارے کو صحیح ترین اور مضبوط ترین بنیادوں پر قائم کیا جائے۔

**ازدواجی زندگی کا اصول** اسلام کے نزدیک مرد اور عورت کے تعلق کی صورت صرف وہی جس کے ساتھ معاشرتی ذمہ داریاں قبول کی گئی ہوں اور جس کے نتیجے میں ایک خاندان کی بنیاد پڑے۔ ازدادنا اور غیر ذمہ دارانہ تعلق کو وہ شخص ایک معصوم سہیلی یا ایک ننھی سی بے راہ زوجی سمجھ کر ٹال نہیں دیتا بلکہ اس کی نگاہ میں یہ انسانی تمدن کی جڑ کاٹ دینے والا فعل ہے، اس لئے ایسے تعلق کو وہ حرام اور قانونی حرم قرار دیتا ہے اس کے لئے سخت سزا تجویز کرتا ہے تاکہ سوسائٹی میں ایسے تمدن کش تعلقات رائج نہ ہوں گے۔ اور معاشرت کو ان اسباب سے پاک کر دینا چاہتا ہے جو غیر ذمہ دارانہ تعلقات کیلئے محرک ہوتے ہیں یا اس کیلئے موقع پیدا کرتے ہوں۔ پس کے احکام مردوں اور عورتوں کے ازدادنا میں قبول کی جانے والی عورت اور عداوت پر پابندیاں اور فواحش کی اشاعت کے خلاف کا طریق سب اسی تہذیب کی روک تھام کیلئے ہیں اور انکار کرنی مقصد خاندان کے ادارے کو محفوظ اور مضبوط کرنا ہے۔ دوسری طرف ذمہ دارانہ تعلق یعنی نکاح کو اسلام محض جائز نہیں بلکہ ایک بیک، کار فرما اور ایک عبادت قرار دیتا ہے۔ سن بلوغ کے بعد مرد و عورت کو مجبور نہ کرنا چاہتا ہے، ہر جوان کو اس پر اس کا تہہ کی تمدن کی جن ذمہ داریوں کا بار اس کے ماں باپ نے اٹھایا تھا اپنی باری نے اپنے پردہ بھائی نہیں اٹھائے اسلام اسے سبانت کو بھی نہیں مجبور کرتا بلکہ اسے حقوق اللہ کے خلاف ایک بدعت ٹھہراتا ہے وہ ان تمام رسموں اور رواجوں کو بھی ناپسند کرتا ہے جو کسی وجہ سے نکاح کی شکل اور بھاری کام بن جاتا ہے اس کا نشانہ یہ کہ معاشرے میں نکاح کو انسان تینوں میں سے ایک نہ کہ نکاح شکل اور نہ انسان ہوا سی لئے اس سے چند مخصوص رشتوں کو حرام ٹھہرتا ہے جو تمام دور و نزدیک رشتہ داروں میں ازدواجی تعلق کو جائز کر دیا ہے، ذات برادری کی تعریفیں اور اگر تمام مسلمانوں میں آپس کا شادی بیاہ کی مکمل اجازت دیدی ہے مگر اور چیز اس قدر بیکر رکھے کہ حکم دیا ہے جنہیں فریقین باہمی برادرتی کر سکیں اور رسم نکاح ادا کرنے کیلئے کسی قاضی، پنڈت، پیر ویت یا دفتر شہر کی کوئی ضرورت نہیں تھی اسلامی معاشرے کا نکاح ایک ایسی سادہ سی رسم ہے جو ہر کہیں دو گواہوں کے سامنے دو باطنی زمین کے

اجاب و قبول سے انجام پاسکتی ہے مگر یہ ضروری ہے کہ یہ اجاب و قبول خفیہ نہ ہو بلکہ سبھی میں اعلان کے ساتھ ہو

**خانگی انتظام کا نظام** | خاندان کے اندر اسلام نے مرد کو ناظم کی حیثیت دی ہے تاکہ وہ اپنے گھر میں منبسط قائم رکھے۔ بیوی کو شوہر کی اور اولاد کو ماں اور باپ دونوں کی اطاعت و خدمت کا حکم دیا ہے۔ ایسے ڈھیلے ڈھالے نظام خاندانی کو اسلام پسند نہیں کرتا جس میں کوئی انضباط نہ ہو اور گھروالوں کے اخلاق و معاملات درست رکھنے کا کوئی بھی ذمہ دار نہ ہو۔ نظم و حال ایک ذمہ دار نہ ناظم ہی سے قائم ہو سکتا ہے اور اسلام کے نزدیک اس ذمہ کیلئے خاندان کا باپ ہی فطرتاً موزون ہے، مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ گھر کا ایک جابر و قاهر فرمانروا بنایا گیا ہے اور عورت ایک بے بس لوندی کی حیثیت سے اس کے حوالے کر دی گئی ہے۔ اسلام کے نزدیک ازدواجی زندگی کی اصل روح محبت و رحمت ہے۔ عورت کا فرض اگر شوہر کی اطاعت ہے تو مرد کا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے اختیارات کو اصلاح کیلئے استعمال کرے نہ کہ زیادتی کیلئے۔ اسلام ایک ازدواجی تعلق کو اسی وقت تک باقی رکھنا چاہتا ہے جب تک ایسے محبت کی شیرینی یا کم از کم رفاقت کا امکان باقی ہو، چاہے کھانا پانی درجہ وہاں وہ مرد کو طلاق اور عورت کو طلاق دینا ہے اور بعض مرد تو توں میں اسلامی عدالت کو یہ اختیار عطا کرتا ہے کہ وہ ایسے نکاح کو توڑنے پر عورت کی جگہ زحمت بن گیا ہو۔

**رشتہ داری کی حدود** | خاندان کے محدود دائرے سے باہر قریب ترین سرحد رشتہ داری کی ہے جس کا دائرہ کافی وسیع ہوتا ہے جو لوگ ماں اور باپ کے تعلق سے باجائی اور بہنوں کے تعلق سے باسرالی تعلق سے ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں، اسلام ان سب کو ایک دوسرے کا ہمراہ، مددگار اور غمگسار دیکھنا چاہتا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ ذوالقرنیٰ یعنی رشتہ داروں سے نیک سلوک کا حکم دیا ہے جو حدیث میں صلہ رحمی کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور اسے ٹی نیکی شمار کیا گیا ہے۔ وہ شخص اسلام کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہے جو اپنے رشتہ داروں سے سردہ رہی اور طوطا پٹشی کا معاملہ کرے مگر اس کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ رشتہ داروں کیلئے باطرف داری کوئی اسلامی کام ہے اپنے کنبہ قبیلہ کی ایسی حمایت جو حق کے خلاف ہو، اسلام کے نزدیک جاہلیت ہے، اسی طرح اگر حکومت کا کوئی افسر ملک کے خارج پر بے دردی کرنے لگے یا اپنے مفصلوں میں اپنے عزیزوں کے ساتھ بے جا رعایت کرنے لگے تو یہ بھی کوئی اسلامی کام نہیں ہے۔ بلکہ ایک شیطانی حرکت ہے۔ اسلام جس صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے وہ اپنی ذات سے ہوئی چاہتے اور حتی و انصاف کی حد کے اندر ہوئی چاہتے۔

**مہمسائیلی کی مراعات** | رشتہ داری کے تعلق کے بعد دوسرے قریب ترین تعلق مہمسائیلی کا ہے۔ قرآن کی رو سے مہسائیوں کی تین قسمیں ہیں ایک رشتہ دار مہسایہ، دوسرا اجنبی مہسایہ، اور تیسرا وہ عارضی مہسایہ جس کے پاس بیٹھنے یا ساتھ چلنے کا اتفاق ہو جو سب اسلامی احکام کی رو سے رفاقت، ہمدردی اور نیک سلوک کے مستحق ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے مہسایہ کے حقوق کی اتنی تاکید کی گئی ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ شاید اس سے دوسرے حدیث میں بیان کیا گیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا ”وہ شخص مومن نہیں ہے جس کا مہسایہ اس کی نذر لائق سے اس میں نہ ہو۔“ ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ ”وہ شخص ایمان نہیں رکھتا جو خود اپنے بچہ کو کھائے اور اس کا مہسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہے۔“ ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ایک عورت بہت نمازیں پڑھتی ہے اکثر روزے رکھتی ہے، خوب خیرات کرتی ہے، مگر اس کی بد زبانی سے اس کے بڑے بھائی عاقر ہیں آپ نے فرمایا ”وہ دوزخی ہے“ لوگوں نے عرض کی کہ ایک دوسری عورت ہے جس میں یہ خوبیاں تو نہیں مگر وہ بڑے دوسروں کو تکلیف بھی نہیں دیتی فرمایا ”وہ جہنمی ہے“ آنحضرتؐ نے لوگوں کو تاکہ فرمائی تھی کہ اپنے بچوں کے لئے اگر پھل لادو تو یا تو مہسایہ کے گھر بھی بچہ ورنہ پھلکے باہر نہ پھینکو تاکہ غریب مہسائے کا اندر نہ کھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے مہسائے تجھے اچھا کہتے ہیں تو واقعی لڑاؤ اچھا ہے اور اگر مہسائے کی رائے تیرے بارے میں خراب ہے تو تو ایک برا آدمی ہے خضر کہ اسلام ان سب لوگوں کو جو ایک دوسرے کے بڑے ہیں آپس میں ہمدرد، مددگار، اور شریک رنج و راحت دیکھنا چاہتا ہے (باقی بر صفحہ ۱۷)



# سفت برادران یو

بھاگ ان بردہ فرد شول سے کہاں جاؤ، بیچ بیچ ڈالیں جو یوسف سارا اویسی

— از ڈاکٹر خواجہ ابو جعفر عیسیٰ —

پاکستان بننے کے بعد مہاجرین کا سوال قومی حکومت کے سامنے انتہائی مشکل بلکہ ناقابل سوال بن گیا ہے۔ جسکے ہزار ہا وجوہات ہیں۔ مثلاً ہماری مذہب سے دوری، اخلاقی لپی، اقتصادی کوریڈر اور غیر۔ اور ان بنیادی کمزوریوں میں انصار و مہاجرین ہر دو گروہ عملاً ہیں۔ مہاجرین کے خلاف انتہائی شکوہ ہے کہ وہ دن و رات بے چوڑیاں کر رہے ہیں۔ ڈاک کے در سے ہیں۔ دیواروں کی اینٹیں چھوڑنے کے شہتیر دروازوں کے کواٹر اور پڑوسیوں کے برتن بیچ بیچ کر کھاتے ہیں اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہ ایسا کر رہے ہیں جو ہر اختیار سے انتہائی جرم ہے اور ان کے اس فعل کو کوئی شخص اچھا نہیں کہہ سکتا۔ یہ اب جرم عظیم ہے کہ دیواروں کی اینٹیں ہلانے کی بجائے قومی حکومت کی اینٹوں کو ہلا رہے ہیں۔ اور اس کی سزا نہایت سخت ہونی چاہیے۔ لیکن وہ الیا کیوں کر رہے ہیں ہا کون سے وجوہات ہیں جو ان کو ایسا مذموم فعل کرنے پر مجبور کر رہے ہیں؟ یہ ہم نے یا تو سوچنے کی زحمت گوارا ہی نہیں کی یا قصداً چشم پوشی کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مہاجرین اخلاقی اراض میں مبتلا ہیں۔ اور اسی کے ساتھ مذہب، اقتصاد، بھائی ان سے یہ فعل سرزد کر رہی ہے لیکن اس میں بہت بڑا حصہ چارے ارباب حکومت ہمارے سرمایہ داروں اور ہمارے چور و لالہ کا بھی ہے۔

(۱) ارباب حکومت۔ ہماری حکومت کی موجودہ مشینری قومی دماغ، قومی تعلق، اندھی کبر کی طرح کی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا دماغ اگر زہر سے ڈھانچے ہوئے نہیں نکلا ہے۔ اور ہمیشہ سے انگریز کی خوشامد اور چالو سی انکا شیوہ رہا ہے۔ نفس پرستی کی خدمت میں وہ بدست مہاجرین۔ اور اعزازی و خود غرضیوں کی آلودگی میں وہ آلودہ و مفلوج ہیں۔ اسلئے سب ان کے ہاتھ میں حکومت خدا داد کی بے پناہ دولت اگر کسی سے تو قائد اعظم کی بار بار تنبیہ کے باوجود انہوں نے کنبہ پروری، عزیز نوازی اور اصحاب نوازی میں اندھ کی رپوڑیوں کی طرح بائٹنی شروع کر دیں۔ اور بڑے بڑے محلات، طرزی بڑی کوٹھیاں۔ ٹرانسپورٹ کمپنیاں۔ تجارتی ادارے۔ کنٹرول اور لائسنس کی دکانیں اپنے ہی اقربا میں ختم کر دیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ان فرموں سے نکھڑا ہوا پیسہ جاکر ان فرموں سے ایک ایک فرد کا توڑ سکڑا ہوگا جن محلات میں سکڑاؤں انسان بسر اوقات کر سکتے تھے وہ ایک سرمایہ دار کی بھیٹ چڑھا۔ اس پر ان انیت دل کھول کر روتی۔ شرافت نے سر ہٹا۔ گیمبوں سے آہ و بکا کی صدا تیں بلند ہوئیں۔ جاڑے کی کڑکٹی راتوں میں بے یار و مددگار انسانوں نے المدد المدد کے نعروں بلند کئے مگر گوشہ ہمد کے سواناں کے لئے ان افریں کے ہاتھوں پناہ کہاں تھی۔ اسلئے وہ مجبور ہو کر کھپ سے لھو دیا انکی نظروں سے تاریک تھی انکے دستان کی بھیبت انتہائی محدود کر دے گئے تھے۔ مجبور سے لپکتے ہوئے بچے ان کی گود میں تھے اسکے بعد ٹھٹھرتے ہوئے جسم ان سے جھک اٹھتی گناہ سرزد ہوا وہ ایک قدرتی نتیجہ تھا کاش ہمارے افسر باقاعدہ۔ سالاروں۔ زمینداروں اور دیگر مہتمماں کی صحیح قسم کر کے قویہ و وزیر درگاہ بنائے جاتے۔ آج کے مہاجرین پاکستانی دولت خداداد پاکستان سے مستفید ہو جائے۔

(۲) ہمارے سرمایہ دار۔ مہاجرین کی ڈاکٹر زنی میں ہمارے سرمایہ داروں کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے وہ سب سے تو پاکستان زہرہ ہوا کی رٹ لگا رہے ہیں۔ مگر پاکستان کے جسم سے خون دن رات اس قدر جو سہی لگ گئے ہیں کہ پاکستان زہرہ ہوا رہنا ہی اہم سوال بن کر سامنے آ گیا ہے۔ ہمارے

سرایہ دار طبقہ نے اقتصادی میدان پر اس قدر پاؤں پھیلانے میں کہ مہاجرین کیلئے پاتوں رکھنے کی کوئی جگہ ہی نہیں رہی مثلاً ہندوؤں کی دکانوں - کارخانوں - ٹول  
 وینو پر انہوں نے مال منیت کچھ کر قبضہ کر لیا ہے حالانکہ ایک ایک دکان سے ایک ایک کنبہ کا اور ایک ایک مل اور کارخانے سے ایک ایک قبیلہ جگہ بھر کا بیٹا لے سکتا تھا  
 لیکن جب مہاجرین کیلئے انہوں نے میدان ہی نہ چھوڑا تو وہ کہ بھی کیا سستے ہیں اس سلسلے میں نہایت بے باکی سے کہا جاتا تھا کہ مہاجرین کے پاس ان سرایہ داروں کے  
 مقابلے میں سرایہ ہی کہاں تھا جتنی بڑی بڑی ٹولیں اور ٹالپ درٹیں اور کارخانوں کو سنبھال لیتے لیکن یہ انتہائی جاہلانہ سوال ہوگا اگر دوچار مہاجر ایک کارخانہ  
 سنبھال سکتے تو دس میں وچاس سو مل کر تو قیلاً سنبھال لیتے اور جتنے زیادہ آدمی ایک بڑے کام میں آتے اتنے ہی زیادہ انسان موت کے منہ سے بچ سکتے تھے اور خالص  
 جبرتم سے کساد کش ہو سکتے تھے مگر یہ پاکستان کے "مخلص" یہ پاکستان کے "حامی" یہ پاکستان کے "جانشان" حقیقتاً پاکستان کے انتہائی دشمن ہیں۔ اور اگر قصداً یہ  
 بھی چاہتے ہوں تو خلا پاکستان میں بغاوت کرانے کے متمنی ہیں اور ہر طرحی یہ سرایہ دار طبقہ اگر قابض ہوا اور قیلاً بھارت کے مصداق اگر مہاجرین کو ہندوؤں کے کاٹا  
 سنبھالنے کا موقع نہ دیا گیا تو مجھے خورشید کے کنارہ دن پاکستان میں سرایہ دار اور غریبوں کی جنگ شروع ہو جائیگی اور بیرونی اور اندرونی سوال پیدا ہو کر خازن جنگی کاموں  
 میں جا بیگا۔ خدایہ روز یہ سے پاکستان کو محفوظ رکھے لیکن خود غرض سرایہ داروں کو اپنے گریبان میں منہ ڈالکر سوچنا چاہیے کہ اس شکم پوری کا آخری نتیجہ کیا ہے؟  
 (۳) ہمارے چودھری - ہمارے سرایہ دار اور ہمارے چودھری ایک ہی پھیلی کے پٹے پٹے ہیں۔ فرق معمولی سا ہے کہ وہ ہندوؤں کے مال پر امانت کے ماتم  
 قابض ہیں۔ حالانکہ ہندوؤں نے مرثیہ پنجاب وغیرہ میں ہا جی جاندادوں اور سرانے پر قبضہ کر لیا ہے انکی دولت پر کسی کے "امین" جوڑنے کا سوال ہی کیسا ہے  
 جو مال والا ہندوؤں کے پاکستان میں رہ گئے ہیں وہ حکومت پاکستان کی دولت ہے اور حکومت پاکستان کے دیواروں میں مہاجرین کی ہڈیوں اور خون کی چٹائی ہے۔  
 اس لئے وہ دولت مہاجرین کی دولت ہے نہ کسی چودھری کا کوئی حق ہے نہ کسی سرایہ دار کا خیال ہے نہ کسی افسر کا استحقاق ہے بلکہ پاکستان بننے سے پہلے مقامی  
 لوگ جس کام میں لگن تھے اس سے زیادہ ہندوؤں کی جائیدادوں وغیرہ کا کوئی حق نہیں ہے اگر وہ ترقی کرنا چاہیں تو اپنی کوششوں سے آگے بڑھیں اور صدق  
 وسائل پر عمل کریں ہندوؤں کے مال میں سے ایک لٹری بھر اگر وہ لینگے یا لے لیا ہے تو وہ مہاجرین کا حق دبا لیا ہے۔ بلکہ انکو اسی قدر حکومت پاکستان میں پیچھے چھینک دیا  
 ہے اور یہ سب سے بڑی غلطی ہے چاہے اپنے منہ میاں مٹھوں کہ وہ پاکستان کے حامی ہی کیوں نہ بنیں خدایہ برادرانِ دیست سے مہاجرین  
 کو بچاتے جو پاکستان بننے سے پہلے انکی مصیبت کا رونا روتے تھے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد انکو پاکستان میں ایک نئی بھر دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

## تبلیغی کتابیں!

جامحیات حیات بعد الموت کے جلد مسائل قرآن کریم اور حدیث نبوی علی صاحب  
 التحیۃ والسلام کی روشنی میں ایک جامع اور دل آزار انداز پر تحریر سے مبرا کتاب تحریر  
 کرائی گئی ہے۔ جو کہ ہر دوزخ و نرقتین کے لئے مشعل ہدایت ثابت ہو سکتی ہے۔ حضرت مولانا امجد احمد صاحب مرحوم نے یہ کتاب مولانا  
 مولوی محمد حسین صاحب حقوق سابق صدر المدینہ دارالعلوم عزمیہ سے اپنی زیر نگرانی تحریر کرائی تھی جو کہ اب کاغذ کی گرانی کے باوجود طبع  
 کرائی گئی ہے کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قیمت صرف ۹۰ محمول ڈاک اور  
 "آخری پیغام حق" مولانا امجد احمد صاحب مولوی کی آخری تقریر جو پہلے شمس الاسلام کے صفحات پر جلوہ گر ہو چکی ہے اور امیر سے زیادہ مقبول ہو چکی ہے۔ عام افکار دیکھنے  
 کتابی شکل میں یہ ناظرین کی گئی ہے آخری پیغام حق کے متعلق حضرت سجادہ نشین نوشہہ شریف والوں کا عزیز فرمایا حضرت کرم مخدوم کو آخری کلمات نصائح نہایت ہی گوہر ہے  
 ملکہ کا پتہ منیجر جریدہ لاٹھمس الاسلام بھیرہ مغربی پاکستان

# اسلام کا اقتصادی نظام

مولانا حفظ الرحمن صاحب کی ایک مفید تصنیف

از ایمان الانور سید محمد ازہر شاہ جتوئی قسطنطنیہ دیوبند

دارالعلوم دیوبند حقائق النبیہ معارف اسلامیہ اور علوم دینیہ کا ایک منبع و مرکز ہے جس کے متعلق یہ دعویٰ کرنا گویا ایک تعیقت مستور کو معرض ظہور میں لانا ہے کہ پرانی سلطنت کے غلبہ کامل اور قبضہ غاصبانہ کے بعد جب اسکا سر قی اور لٹی کھوٹی ہوئی نشان و شوکت سے اثر زد اس زمانہ کے بعض مشاہیر ملت نے (چاہے دیانت داری اور نیک نیتی ہی سے بھی لیکن ہر صورت) ایک غلط خیال کی بنیاد پر اپنی سادہ قوم کو نئی تعلیم تہذیب کے اس محکمہ کے ارد گرد طواف کرنے کی دھوٹ دی اور انگریزی تعلیم و تہذیب کی لمبی لمبی اسکیمیں اور بڑے بڑے ارادے ہزاروں اور لاکھوں کے مل سرمایہ اور حکومت کشمیری کی خود غرضانہ امداد و اعانت کا سہارا لیتے ہوئے صورت پذیر ہوئے تو ان المادوں اور مادیات میں سے اپنی ضرورت کی ساری چیزیں اپنے پاس رکھنے والوں کے مقابلہ میں وہ لوگ آئے جیکے پاس لاکھوں کے چند سے تھے اور نہ ہزاروں کے عطیے، کو کچل ان کا سرمایہ اور تمام کامل کی ایک بے زوال طاقت انکی پونجی تھی۔ سفر و سفار کے لئے سیکرٹ ڈفرنس کے ڈبے انہیں میسر تھے اور دیگر گھڑیے ہی پر دیپکندہ بازی کرنے کے لئے تجارتی و رسائل اور اشتہارات و کتابیں ان کے ہاتھ میں تھے بڑی بے سرو سامانی کی حالت میں بڑے زبردست آئمن کے مقابلہ کے لئے ایک فزاسا اور چھٹا کام شروع کیا گیا تھا جسے آج قرآن و حدیث کی پاک تعلیمات کی واحد شاہ گاہ اور مسلمانوں کی عظیم الشان دارالترتیب کا نام دیا جاسکتا ہے۔ ہوں تو دارالعلوم کے تمام اکابر میں سے اس سلسلہ در سلائے ناب است ڈا ایں خانہ تمام آفتاب است ڈا کے مصداق ہیں۔ لیکن دارالعلوم کے رئیس الاسلامانہ اور حد اعلیٰ کا منصب عزیز یہ ان مناصب جلیلہ میں سے ایک یہ ہے جسے ہر دور میں ملک و ملت کی مذہبی علمی اور سیاسی ضرورتیں وابستہ رہی ہیں دارالعلوم دیوبند کا ہر شیخ الحدیث اپنے فطری اثر و اقتدار اور نبضان عام کے لحاظ سے اپنے زمانہ کا شیخ الاسلام ثابت ہوتا ہے حضرت سیدنا مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے بعد علامہ الاسلام حضرت شیخ الاسلام مولانا محمود الحسن دیوبندؒ و دام امصر عالم کبر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور عالم امروزی امیر الامور و اعجاز مولانا سید حسین احمد مدنیؒ علم و عرفان کے نظام فکری کے وہ ستارے ہیں جو سیاسی اور فطری اختلافات کے باوجود اپنے اپنے عہد میں قافلہ اسلام کے فنی تہہ بہر رشہ دعوت، تقویٰ و پیر پر کاروی اور مادیات و دینداری کے معیار و مثال اور جناب نجی کریم علی علیہ السلام کے اسوہ حسنہ اور طریقت و معرفت کے پیر کامل سمجھے اور مانے گئے ہیں۔ مولانا حفظ علی خان کا یہ شعر صرف شعر نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ

اسمیں قاسم ہوں کہ انور شاہ یا محمود حسنؒ ڈا سب کی فطرت ارجمند فنی سب کی ہوتی تھی بلند ڈا

گر می ہنگامہ ہے تیری حسین احمد سے آج ڈا جن سے ہے پرچم روایات سلف کا پھر بلند

دارالعلوم دیوبند کے تیسرے امیر الامور حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ خود ایک عالم متبحر اور علامہ اعلیٰ کی حیثیت سے تو شہرت و توقیر و عزت و احترام کے آسمان پر ایک آفتاب کی طرح روشن ہیں لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ حضرت مرحوم کے خاندان میں ہر ترے بہتر عالم اور اہل قلم پائے جاتے ہیں حضرت موصوف کی نظر کیمیا ستر تھی کہ جس کی پر پڑی اسے کامیاب و کامگار کر گئی۔ انفاذ فیض محبت مل و باغ کی بہترین صلاحیتوں کو مناسب طریقے پر بروئے کار لائے میں اعانت کرتا تھا اور ان کے روحانی حالات طلبہ پر علم و فہم کی راہیں یوں کشادہ کرتے تھے کہ تادمہ سالوں کی مترنسیا ہیمنوں میں اور ہیمنوں کی غنوں میں ملے کر جاتے تھے

وادی مشت لہجے دور دراز سے کچھ

مولانا غلام الرحمن جو بادی اعلیٰ جنگی کتاب "اسلام کے تفسیری نظام" پر ہیں آج کچھ عرصہ گزرا، معتود ہے اپنی علمی، تحریری، سیاسی اور دینی خدمات کی بنا پر خود مشہور و ممتاز ہیں لیکن اس کو قدر پر ہم سولہ، رخصتم کا تقاریر و فرائض الفانیوں کے کام میں گئے کہ آپ حضرت محدث کشمیری کے معین تربیت سے براہ راست مستفید اور ان کی علمی صحبتوں اور مجلسوں میں ساہا سال تک ایک سعادت مند شاگرد کی حیثیت سے شریک رہنے والے خوش قسمت انسان ہیں۔

مظاہر میں راز حق دبا ملا دیکھنے والے

"مہربان داری اور اخلاص" سرمایہ داری اور افلاس و غربت کی رقیبانہ کشمکش بہت طویل العرصہ سے، انسان چونکہ بالطبع مال و دولت کا حرص و طامع اور نذر و خواہش سے ملکہ جنگ کرتے ہوئے مٹاؤں کیلئے ابتدا سے سرمایہ اشتیاق بنا رہا ہے اسلئے اس نے وہ بے پیسے گواہ کویر قبضہ دزیر صرف لانے کے لئے ہمیشہ سے ادا رفتہ اور انفاق کے آئین کی توڑ پھوڑ اور مذہب و فرائض کی تعلیمات سے بغاوت، دنیا فرائض کی جرات پائی ہے وہ ہمیشہ سے یہ جوتا چلا آ رہا ہے کہ کتاب مال و زر کے لئے ایک شخص و ادا رفتہ غریبی جہتوں اور گرد و پیش میں ظلم کے اور ہر جائز و ناجائز ذریعہ سے ان سے مالی نفع حاصل کیا۔ صرف طبع فنی کی تسکین کے لئے صرف ایک نوآبادیت اور بڑا سا مکان بنا کر دوسروں کو سرحد و غلوب کرنے کے لئے صرف ایک باغ اور ایک گاؤں شہر کا صاحب جانہ ادا کھلانے کے لئے، جن پر اچھے کپڑے اور گھڑیاں، غلام وادی کا بہت عاں سامان جمع کر کے اپنے رئیس ظاہر کرنے کے لئے، انسانی نے انسان جی پر دست و پا کر دیا۔ غریبوں کی ہٹی بانی گد بانی تک کو نیلام چڑھا کر ان کے پیسے اپنی جیب میں رکھے، در مزدوروں سے دن و رات، وقت اور عادت کھت سے سخت پختن میکان کی پھیل پڑی کے طاری پیسے کو گد بانی کی تو حق نہیں پائی نہ مولا کو صرف اپنا حق کھجنا سرمایہ دار کی ذمہ داری اور پھر سرمایہ کے بی بوتلہ برحقین محتاج کا اور فطرت انگیز غریبی خلاق فنی مسیحیوں کو بے دھرم کر گزرا، مولا دھرم کا مزاج بنا رہا ہے، ایک کیونٹ شاعر نے یہ کہا ہے کہ

پروائی آیتوں پر کیوں ہے یہ آہ و فغاں	زندگی آفتاب کی استحقاق ہے کوشش نہیں
جگر کو دلدل سے ملا در زمین کجواب و حریہ	جدا ہو گیا عذرت ہے یہ نصیر مریں
اور یہ مزدور صحت کا ہے دھنکارا ہوتا	دھن ہوئے گوارے ملتی نہیں گز بھر زمین
اس کی کم طرف سے فطرت کا بگاڑا ہے ترانہ	رفتنہ رفتہ ہو رہی ہے وہ شمس و شمس گیس
سیم و زر لیکر بھی میں طاعنی نہ تھا سوزا نالی	میں کیا مزدور بھٹ جا رہا ہے دھنیشہ کا امین

مختلف مذہب کے علمبردار اور انسانیت عام کے دشمنوں نے ہمیشہ مہربان داری اور افلاس کے دو میدانوں میں کھیل کر فتنہ پیدا کرنے اور سرمایہ کے ہمہ گیر انسانوں کی ایک طبقہ ذاتی جنگ اور اقتصادی مٹاؤں کے مٹاؤں کو ختم کر کے امن عام کو برقرار اور مرقام کرنے کے لئے اپنے اپنے وقتوں میں اپنے اپنے طور پر ہمیشہ کوششیں کی ہیں مگر کیا کچھ یا تو فطری اور ذہنی طریق پر ان مشکلات کا کوئی حل ہے اور باقی ہوا۔ دریافت کرنے والے منزل پر پہنچنے کی جگہ و مسرت کی سوجھ میں کچھ کر رہ گئے۔ سرمایہ داری اور غربت کی ترازو کے دو توڑ سے برابر نہیں ہو سکے۔ کبھی سرمایہ اس طبقہ کے پاس نہ پہنچا اور اس نے وہاں پہنچ کر سرمایہ داری کی اوجہ چاکر رکھی۔ کبھی اس دوسرے طبقہ کے قبضہ میں گیا اور وہاں جو نیویں میں دال چنے لگی۔ غرض کہ کوئی ایسا نظام عمل اور نصب العین مہیا نہیں ہو سکا جو افراط و تفریط میں سے ہٹ کر اعتدال اور اعتدال کی ایک راہ پر گزرتا۔ اور یا اگر دین عالم کسی زما میں کوئی ادا تھا پہلے میں کامیاب بھی ہو سکے تو

اسے نظری اور ذہنی فلسفہ سے باہر کر عمل میں صورت نہ پر ہونے کا موقع نہیں ملا، مولانا خطہ الرضی صاحب ارباب فکر و نظر کے دل شکر یہ کہ سختی میں کہ اس مختصر  
نے اس موضوع پر ایک بہت کمال کتاب لکھ کر یہ واضح کیا کہ قرآن و اسلام کو انسانوں کی زندگی کے آغاز و انجام اور اس سلسلہ حیات کے درمیانی درجات پر اس کی تسبیح و تمجید  
فرمانے کا جو دعویٰ ہے وہ سوائہ داری اور افسوس کے اس خاص نقطہ پر بھی کہ نہیں ٹوٹتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خاص اس سلسلہ پر اسلامی تعلیمات کے مطالعہ و قاعدہ سے۔ امریکی  
داخلی وزیر کی، اسکی اصابت راتے، اس کے علم و عقل کی پہچانی اور اس کی راہبر قسط حقیقت کے پیچھے اور زیادہ روش نمایاں اور زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔  
”اسلام کا اقتصادی نظام“ یہ تین سو ساٹھ صفحہ پر مشتمل ایک دیدہ زیب کتاب ہے اس کا پہلا اڈیشن موجودہ تقصیر سے پہلے چھوٹی تقصیر پر چھاپا گیا تھا مگر اب  
ساترہ کتابت، طباعت اور کاغذ کے اعتبار سے پہلے سے بہتر حالت میں چھاپا گیا ہے جس میں مصنف نے تقریباً سو عنوانات قائم کر کے مسئلہ زیر بحث اور  
اس کے تمام مسوغات پر روشنی ڈالی ہے۔ گو مولانا خطہ الرضی کی تقریر میں انشاء پر دلائل و ثبوتی و رنگینی اور شہ عرائف و لطائف نہیں پائی جاتی۔ اور عصر حاضر کی  
عام اہل قلم کی طرح وہ اپنی تمام تر کوششیں ترقی کی نگاہ ہی سجاد و بناوٹ پر صرف نہیں کر دیتے لیکن اس کے باوجود فطری طریقہ پر بڑی سادگی و صفائی کے ساتھ  
آپ اپنے خیالات کے اظہار اور اپنے خاکے و نقیضات طریقہ پر اپنے قریب لائے کی سہارت رکھتے ہیں زیر نظر کتاب کا ایک جڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ کتاب کا ہر پہلو  
جس انداز پر لکھا گیا ہے وہی انداز آخری صفحہ تک قائم ہے سادگی و صفائی اور آدوب و سادگی کی ایک جوتے رواں ہے جسے تکلف و آورد کے حس و غشاں نہیں  
اس کے پہنے کے اصل طریقہ سے ہٹا لینے اور بدل لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ کتاب پڑھنے والے اصحاب بعین وقت کتاب پڑھتے پڑھتے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگرچہ  
ذہنی و کوشش سے اپنی توجہ ذہنی کو کتاب پر مبذول کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود مطالعہ میں الجھل نہیں لگ رہا ہے اور قدم قدم پر طبعیت اگڑی جاتی ہے مطالعہ  
سے اس دل برداشتگی کی جو ہمیں جہاں اور بہت سی بھی ہو سکتی ہے جہاں ایک بھی جوتے رواں ہے کہ مصنف نے نگاہ کردہ اور کار باہمی جمع کرنے، مختصر سی مختصر چیزوں  
کو چھپانے اور فلان و سامی باتوں کو بجا بنائیں کرنے کے نقطہ میں مبتلا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ذہن و دماغ کے لئے اس قدر تصنیف و تکلف کا عمل مشکل ہے، مولانا خطہ الرضی  
کی یہ کتاب اس قدر سادہ و صاف ہے کہ پڑھنے والے کو اس کے سمجھنے میں غیر علمی محنت نہیں کرنی پڑتی بلکہ خود کتاب ذہن نشین ہوتی جاتی ہے۔ اور فنی اعتبار  
سے یہ تصنیف کا بہت بڑا کمال ہے۔

خدا کا آثار مصنف نے انتہا ارباب کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات سے گریز کیا ہے اور بنیاد پر لگنی کوئی اور کن معنوں سے یہ مستعمل کر کے کی کوشش کی  
ہے۔ اس کے بعد مختلف فہمیں اور تفہیمیں کا ذکر اور ان پر اجماع و تفریق کے یہ واضح کیا ہے کہ وہ کیوں انسانی موسمیاتی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں نام ثابت  
ہوتے، یہ تبصرہ صنف ہر ملک پھیلا ہوا ہے۔ صفحہ ۳۰ کے بعد ان عبارات کا ذکر ہے جو ایک صالح معاشی نظام کے لئے اصولی موضوع کی حیثیت رکھتے ہیں، اس  
سلسلہ میں بتایا ہے کہ وہ معاشی کے مروجہ و سادہ اقتصادی حالات کو افراط و تفریط سے نکال کر راہ اعتدال پر وہ نظام لا سکتا ہے جو

(۱) ہر شے فرد کی معاشی زندگی کا فیصلہ ہو، ادا اپنے دائرہ عمل میں کسی فرد کو بھی معاشی زندگی سے محروم نہ کرے کہتا جو

(ب) ایسے اسباب و وسائل کا قلع و قمع کرے جو معاشی و تہر کا موقع دے کہ ان کے افراد انسانی کے درمیان ظلم و ستم پیدا کی جائیں گے اور معاشی نظام کو آفسا کا موجب  
بننے میں۔

(ج) دوست اور اسباب و دولت کو کسی خاص فرد یا کسی محدود جماعت کے ہندو نہ کرے، اور اس فرد یا جماعت کو نظام معیشت پر بغاوت و تسلط ہونے سے باز رکھتا  
جو کہ معاشی نظام تمام کائنات انسانی کی فلاح کے بجائے مخصوص طبقوں کی اغراض کا آخر کار بن کر رہ جاتے۔

(ح) خفت و سرمایہ کے درمیان صحیح توازن قائم کرتا اور ایک دوسرے کی حدود پر ناسپاہانہ دستبرد سے بچتا جو

متذکرہ امور کا اصول و موضوع قرار دیکر معاشیاتی علوم کے ماہرین کی مختلف آراء بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد اسلامی نظریہ معاشی اور عہدہ نظریے معاشی نظام کا منشاء کے عنوانات ہیں صفحہ ۴۰ سے صفحہ ۶۱ معاشیات کے اصول کو قرآن حکیم سے واضح کیا گیا ہے اور یہی باب ہے جسے کتاب کی روح رواں اور نفس نامہ کہا جا سکتا ہے اس سلسلہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی ایک روایت نقل کی گئی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس قوت و طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد جمع ہوں اس کو چاہئے کہ یہ فاضل سامان کسی کمزور شخص کو دیے اور جس شخص کے پاس سامان خورد و نوش اپنی حاجت سے زائد ہو اس کو چاہئے کہ فاضل سامان کسی حاجت مند کو دیے۔ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ان حضرت اسی طرح مختلف انواع مال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ص ۴۲

اسی موقع پر محلی ابن حزم ص ۱۵۸ سے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ کا کسی غلام سے موقوفہ پر ارشاد فرمایا ہوا یہ جملہ نقل کیا ہے لو استقبلت من امری ما استقبلت لاحت احوال الاغنياء فقسمة اهل فقر المهاجرين :- جس بات کا آج مجھے اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت کو مقررہ محاجر میں بانٹ دیتا :-

محلی ابن حزمؒ ہی کی ایک اور روایت سے استدلال قائم کیا ہے محلی کی روایت ہے کہ

وصح عن عبيدة بن الجراح وثلاثمائة من الصحابة (رضوا الله عنهم) ان زادهم عني فاصروهم ابو عبيدة فخبه عوا (زادهم في من ودين وجعلهم ليقوتهم) اياها على السواج حضرت عبيدہ ابن جراحؓ کے متعلق یہ روایت محدث کو پہنچ چکی ہے کہ ایک موقوفہ برائے مسلمان خورد و نوش رقم کے قریب آگیا جس حضرت ابوعبیدہؓ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ ناکر کر اور پھر سب کو جمع کر کے ان میں برابر تقسیم کر کے سب کی قوت لائبرٹ کا سامان کر دیا

صفحہ ۶۱ سے صفحہ ۷۷ تک انفرادی معیشت پر بحث کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اسلام نے نیک معیشت کو ہر اس شخص کے لئے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے ناگزیر قرار دیا ہے اس باب میں کتب معیشت کے لئے قرئیبات، کتب معاش کے اساسی اصول، معارف کے بنیادی قواعد، پر عنوانات میں جو زیر بحث آئے ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے :-

برالناس کو اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے لئے جدوجہد کرنا فرضی ہے، دنیا میدان عمل ہے، یہاں عبود و محمود موت کے سوا ہے قرآن حکیم نے عبادات اللہ کے ہر سب سے پہلے جو حکم دیا ہے وہ یہ ہے :-

فاذا قمتم الصلوة فامسكوا في الارض وابتغوا من فضل الله (جمعہ) پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (و رزق) کو تلاش کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث کا ترجمہ ہے کہ جب تم نماز پڑھ چکو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر نیند و آرام کا نام نہ لو

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ

لا یقتد احدکم عن طلب الرزق

تم میں سے کوئی شخص بھی طلب رزق کی جدوجہد میں تپ ہو کر نہ ٹھہر جائے

کس معاش کی اس تاکید و توثیق کے بعد معاشی وسائل و ذرائع میں بنایا ہے کہ انسان کے لئے معاشی جدوجہد میں ضروری ہے کہ وہ بنیادی طور پر دو اصول ہمیشہ پیش نظر رکھے اولاً یہ کہ جو کچھ حاصل کیا جائے وہ پاک اور حلال ہو ، ثانیاً وہ جن طریقوں سے حاصل کیا ہے وہ جائز اور صحیح ہوں اسکے حصول میں کسی کا بجا حق ضائع نہ کیا گیا ہو یا کہ جس طرح حلال کی شرط لگا کر مسلم کے جسم کی نجات اور مخالفت ضروری سمجھی گئی ہے اسی طرح ایسی چیزوں سے بھی منع کیا گیا ہے جو روحانی اور اخلاقی امراض کا سبب بنتی ہوں اس باب میں حلال طیب کی اصطلاحوں کی بسط و تفصیل کے ساتھ تشریح کی گئی ہے اور ان کے متعلق متعدد احکامات قرآن حکیم سے نقل کئے گئے ہیں ، فاضل معصنف نے اس باب کو متعدد فصول پر تقسیم کیا ہے ، پھر اس کے دوسرے حصہ میں محارف کے بنیادی اصول میں یہ نہیں بتلویا ہے کہ

(الف) کس طرح خرچ کیا جائے

(ب) کس قدر خرچ کیا جائے

(ج) اور یہ کہ کن پہ خرچ کیا جائے

اس بیان میں جو احادیث نقل کی گئی ہیں انہیں میں ایک یہ حدیث بھی ہے جس میں اسلام کے معاشی قانون کو غایت مختصر اور جامع الفاظ میں بتلایا گیا ہے اور جب کو فن اقتصادیات کا بنیادی اصول کہنا چاہتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

الاقتصاد فی النقة نصف المعیشتہ

میانزدی معاشی زندگی کی خوشگوار سی کا نصف حصہ ہے

اخراجات کے باب میں اسراف و تبذیر سے بچنے اور میانزدی کے جو اصول بیان کئے گئے ہیں وہ معاشیات کے عنوان میں اب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں انفرادی معیشت کے بعد اجتماعی معیشت کا بیان آتا ہے اور حیات اجتماعی ، نظام حکومت ، حیثیت امیر ، الزام جماعت و امیر کی اطاعت ، شعوری ، راعی و رعایا میں آئینی مساوات ، حکومت ربانی اور طاعتی حکومت ، کے عنوانات ہیں جن میں مذکور ہے کہ اسلام میں اجتماعی نظام معیشت کی کیا معیشت ہے اور وہ کس طرح مختلف طبقات میں دولت کے صحیح توازن کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے ، انفرادی اور اجتماعی معیشت کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام فرد کے اس حقیقی کو تسلیم کرتا ہے جس کے حصول کے لئے اس نے جدوجہد کی مگر اس کے باوجود یہ بات سے پسند نہیں کہ دولت کسی ایک جگہ جمع ہو جائے یا حصول دولت کے لئے ایسے وسائل و ذرائع اختیار کئے جائیں جو جمہور کے لئے نقصان رسا ہوں اس کے لئے اسلام میں مخصوص اصطلاحات ہیں ، اس ذیل میں ایک لحاظ کن ہے جس کا منہم وہ مخوف غمخوار ہے جس سے جہود کو کوئی نفع نہ پہنچ سکے اور اسی سلسلہ میں ”اعتماد و اعتماد“ کی اصطلاحیں بھی ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ غلہ وغیرہ اجناس و شایاں کو اس لئے روک کر ذخیرہ کر لیا جائے کہ وہ بازار کی گرانی کا سبب بن جائیں اور پھر نفع انفرادی کے کو مخاطب وقت میں اس سے زائد سے زائد نفع حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جیسا کہ گمشدہ شے کی بدامنی سے غلہ اٹھا کر سلطان وغیرہ مسلمان سب تاجر اور دکاندار کر رہے ہوتے اسلام کے نزدیک یہ سب چیزیں قطعاً حرام ہیں ، اسلام حصول دولت کی اجازت صرف اس شرط پر دیتا ہے کہ اس میں ایسے وسائل و ذرائع کا استعمال نہ ہو جو گنہگار نہ کیا جاتے ہو بلکہ اس میں بالواسطہ جمہور کے لئے نقصان رسا ہوں اور یہ کہ دولت کا بلکہ گنہگار نہ کرنا یا روپے پیسے کو فساد عام میں خرچ کر کے ٹکی بکھٹے تہنا اپنی ملکیت و تصرف میں رکھنا اسلام میں پسندیدہ نہیں اس ضمن میں وہ امور بھی آجاتے ہیں جن میں اتفاق مال اور جہود کی راحت و نفع کے لئے صرف ضرورت دولت

کی اخلاقی ترغیبات بھی دی گئی ہیں اور بتا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ دولت پر حریصانہ نظریں لگاتے دکھنا، برکتانہ دنیا جائزہ ذلیلہ سے اسے پانے کی دھن میں لگا رہنا اور اسے پاکر سر پہ خزانوں کی شکل میں دباتے رکھنا بالکل غلط اور مواظبت و مساوات کی رو سے نہایت ناجائز ہے۔

اجتماعی معیشت کو مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا ہم حکومت اور ریاست سے متعلق ہے اس میں ”بیت المال“ یعنی ریاست کے خزانے کو مرکز قرار دیکر اسلامی عاقل کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس باب میں مندرجہ ذیل عنوانات ہیں

عشر، خراج، جزیرہ، زکوٰۃ، صدقات، فی، خمس، خراج، کربا الارض، عشر، وقف، اموال فاضلہ

متذکرہ مباحث کے آخر میں فقرائے بیان کیا گیا ہے کہ اس عام آمدنی کو کس طرح صرف کیا جائے گا، اور ان کے مصارف کیا ہونگے مصارف کے سلسلہ میں وظائف کا باب نہایت اہمیت رکھتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ کسی قوم کے ذہنی اور علمی نشوونما کے لئے حکومت کے خزانے سے وظائف کا اجراء نہایت ضروری ہے چنانچہ آج تمام متمدن ممالک میں کم و بیش یہ نظام جاری ہے اور ہر حکومت اپنی اس مالی مدد سے اپنے یہاں کے بیکار، غریب، نادان، علمی، ادبی، ایجادی، اور اختراعی مشائخ میں کمال کیونکر اور فروغ کے ساتھ لگے رہے ہیں مدد دے رہی ہے، بہت علمی و فنی کارنامے جو جو ملک و ملت کی ترقیات کا باعث بن سکتے ہیں اور ذاتی سعی و طاقت سے انجام پذیر نہیں ہو سکتے ان کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی مالی اور اخلاقی مدد کی نسیبت پر ہوا جو مالی سرمایہ ان کے لئے درکار ہے وہ بہولت انہیں خزانہ حکومت سے دستیاب ہو سکیں،

تجارت اور صنعت و حرفت بھی اس باب کے شعبے ہیں، تجارت کے سلسلہ میں مصنف کو سود سے اتفاق نہیں چنانچہ آپ کا استدلال یہ ہے کہ ”جس اقتصادي نظام میں سودی لین دین کا عمل دخل ہے وہ کیسے برباد کنندہ و تباہ کن ہے یہ کہ دروں انسانوں کو غفلت و محتاج بنا کر ایک ایک مخصوص طبقہ میں دولت کو سمیٹتا اور اس کو ان کا واحد اجارہ دار بنا دیتا ہے

غریب ممالک کی تقلید میں آج تمام دنیا سود کے منافع و فوائد کے گیت گاتی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ سود کے کچھ فوائد بھی ہیں اور ان فوائد کا انکار ایک انصاف پسند طبیعت کے لئے مشکل ہے لیکن واضح رہے کہ یہ فوائد کہ دروں انسانوں کا خون نکال کر حاصل کئے جاتے ہیں اس لئے کوئی ایسا نظام جو تمام ہی نفع کے فوائد سے تعلق اور دلچسپی رکھتا ہو کبھی اسے جائز نہیں قرار دے سکتا، سود تمام انسانوں کے مال سرمایہ کو ان سے چھین بھٹپ کر کسی فرد یا یا مخصوص جماعت کو حصے ڈالتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی سرمایہ داری کی وہی بدترین شکل ہے جس کے خبیث اثرات سے آج روح انسانیت تڑپ رہا اور تمام دنیا تڑپ رہی ہے، یہ تمام مباحث بسط و تفصیل کے ساتھ صفحہ ۲۹۸ تک پھیلے ہوئے ہیں بھلازاں سرمایہ و دولت میں توازن کی بحث سے جو ذیل کے عنوانات پر مشتمل ہے۔

زکوٰۃ، صدقات و اجیر، وراثت، فاضلہ، اوقاف، سبب، وصیت، قرعہ حسنہ، عاریت، امانت

ان مباحث میں مصنف نے اسلام کا حسبِ نظیر قانون پیش کیا ہے کہ اگر اس میں عمل کیا جائے تو سرمایہ دار کو اس کے سرمایہ سے محروم کئے بغیر ان فاس اور بھوکے کھلے اس طرح حل ہو جاتا ہے کہ آتش بہتر کوئی دوسری صورت جو فطری اور قابلِ عمل ہو ملتی ہوگی نہیں، اخیر میں مصنف نے اسلام کے اقتصادي اور معاشی نظام کا دنیا کے دوسرے معاشی نظام ہائے باطل سے موازنہ کیا ہے یہ موازنہ صفحہ ۳۳۱ سے لے کر صفحہ ۳۴۸ تک ہے یہاں ہم مصنف کے مرتبہ علمی کے اہتمام اور ان کی اس تصنیفی کاوش کا اعتراف کرتے ہوئے بھی یہ عرض کریں گے کہ انہوں نے اس باب میں بیکاراجال و افقار سے کام لیا ہے جس کی وجہ سے دوسرے نظاموں کی کمزوریوں اور خامیوں کے تمام غلط و خال سامنے نہیں آ سکے، لہذا کہ یہ نظام بنیادی نقائص کے حامل ہیں تاہم ان پر تفصیلی



موازنہ ہونا چاہئے تھا تاکہ "تعرف الاشیاء باخدا مادھا" کے اصول کی روشنی میں اسلامی نظامِ معیشت کی خوبیاں اور عکاسی اور زیادہ اچانک مبراہن ملنے آسکتے۔ سب سے اخیر میں ہندوستانی میں معیشت کے مسئلہ کا حل بتایا گیا ہے اور اس طرح نہایت قیمتی مباحث و مضامین پر داد کلام دیتے ہوئے مصنف نے کتاب ختم کر دی ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام بلاشبہ ایک بہت کامیاب اور متفقہ تصنیف ہے جس کی ترتیب و تصنیف پر ہم مصنف کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اس کتاب نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اسلام کے اقتصادی قانون کی تشریح کی اور یورپ کے ان مختلف نظامہائے معاش کے کھوکھلے بین کو ظاہر کر دیا ہے جن سے ایک دنیا کی دنیا اور ایک عالم کا عالم غلط فہم پر متاثر ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر حقیقت شناس انسان اس کتاب کو پڑھ کر اسلام کے اقتصادی نظام کی مضبوطی اور ہمہ گیری سے متاثر اور حیرت و دلچسپی کا حامی بن سکے گا۔

لطف نے تجھ سے کیا کہوں زاہد ہائے کم محنت تو تے بنی ہی نہیں

لطف سے تجھ سے کیا کہوں زاہد ہائے کم محبت تو نے بی بی ہی نہیں

اسلام کا معاشرتی نظام  
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ایک نثری تقریر  
بقیہ صفحہ ۳۷ کے

# بین الاقوامی نبی کا منصبت

از شاہ فیاض عالم ولی اللہی مفتیم دارالعلوم دیوبند

یہ مضمون حکیم الامت ولی الدہلوی کے فلسفے کی روشنی میں لکھا گیا ہے اس مضمون سے ادیان سابقہ اور دین اسلام کی حقیقت اور ان کے آپس کا فرق سمجھنے میں مدد ملیگی

اس دور میں اکثر لوگ دین اسلام کو ادیان سابقہ پر قیاس کرتے ہیں اور بین الاقوامی دین کو قومی ادیان کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ اس لئے دین اسلام کا مزاج اور اس کی خصوصیات سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، پیش نظر مضمون کو ایسے لوگ نظر ثانی سے پڑھیں تو وہ اصلی حقیقت سمجھ سکیں گے (ولی اللہی)

## انسانی معاشرے کا ارتقا اور اس کی آخری منزل | انسان کی تخلیق حقیر اور جاہل ذرات سے قرینہ ترین کے ارتقا اور حیوانات

کے مختلف قابلوں میں بدلتے رہنے کے بعد ہوتی، یا ابتداءً با آدم ہی پیدا ہو گئے اور پھر آقاؐ وجود میں آئیں اور نسل انسانی پھیلنا شروع ہو گئی یا تخلیق انسانی کے متعلق ڈارون کا نظریہ صحیح ہو یا غلط، لیکن آسانہ طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انسانوں کی موجودہ مہذب زندگی ہزار ہا سال کے ارتقا کا نتیجہ ہے۔

تاریخ اور موجودہ وحشی اقوام کے حالات کے مطالعہ سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ آج کے مہذب انسانوں کے مورث اعلیٰ آج سے ہزاروں سال پہلے جانوروں کی طرح وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اودان میں مندرجہ ذیل باتوں کے سوا کوئی امتیازی خصوصیت نہیں تھی۔

۱ یہ دوسرے جانوروں کی طرح کے برخلاف صرف دو ٹانگوں سے چلتے تھے

۲ معمولی اور سادہ اعضاء استعمال کرتے تھے

۳ ان کے بچے دوسرے جانوروں کی بہ نسبت کافی طویل مدت تک امداد اور تربیت کے محتاج ہوتے تھے اس لئے ماں اس وقت تک

جب تک کہ بچہ خود اپنی روزی حاصل کرنے کے لائق نہ ہو جائیں ان کی پرورش کرتی تھی۔ اس طرح ان کا ایک عارضی خاندان بھی ہوتا تھا۔

(لیکن یہ بات بعض جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے اس کو انسان کی کوئی بڑی امتیازی خصوصیت نہیں کہہ سکتے)

۴ ان جانوروں کے علاوہ ان کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں حیرت انگیز امکانات پوشیدہ تھے ان کے دماغ جانوروں کے دماغ سے مختلف

تھے اس لئے یہ آہستہ آہستہ ترقی کرتے رہے اور موجودہ شکل اختیار کی

لیکن ان امکانات کا فہم بہت ہی تدریجی طور پر ہوا اور ایک طویل مدت انسان نے ایسی حالت میں گزاری ہے کہ انہیں اور دوسرے جانوروں میں کوئی فرق

نہ تھا اور کچھ فرق تھا تو وہ صرف اتنا تھا کہ جب تک ایک نوع کے جانوروں اور دوسرے نوع کے جانوروں میں ہوتا ہے۔

ایک عرصے تک انسانی معاشرہ اس منزل سے گزرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے منزلی زندگی کی ابتداء کی، اس دور میں انسانوں کے تعلقات صرف اپنے باپوں سے ہوتے تھے اور گھر کے تمام افراد غدا حاصل کرنے کی فکر میں سرگرداں رہتے تھے، اپنے گھر کے افراد کے علاوہ دوسرے انسانوں سے انکو کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا، ہر خاندان میں ایک شخصیت ہوتی تھی وہ شخصیت بعض خاندان میں عورت ہوتی تھی اور بعض میں مرد) جبکی خاندان والے تاجدار کی کرتے تھے یہی شخصیت آپس کے جھگڑے چکایا کرتی تھی اور گھر کا نظام چلاتی تھی، اس طرح ہر گھرانہ اپنی مرضی حاصل کرنے میں الگ الگ مصروف تھا اور اس سلسلے میں ایک خاندان کی دیکھ بھال خاندانوں سے لڑائیاں بھی ہوتی تھیں

پھر جب نسل بڑھنے لگی تو مختلف گھرانوں نے (جو ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے) مل کر جر کے کی بنیاد ڈالی، پھر جب نسل اور بڑھی تو ایک ہی نسل کے جر کے نے مل کر قبیلے کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد مختلف قبیلوں نے ایک قومیت بنائی۔

ارتقا میں ان منزلوں میں سے جس منزل میں انسان رہا اس کی تک دو میں اسی منزل کے دائرے میں محدود رہی، وہ جو کچھ کرتا تھا اسی دائرے کے افراد کے لئے کرتا تھا اور اس کی محدودیاں اپنے گھرانے، خاندان، جر کے، قبیلے اور قوم ہی کے ساتھ مخصوص رہیں اور ایک خاندان کا آدمی دوسرے خاندان کے افراد کو، ایک جر کے کا آدمی دوسرے جر کے کے افراد کو، ایک قبیلے کا فرد دوسرے قبیلے کے افراد کو پھر ان میں سے ایک قوم کے افراد دوسرے قوم کے افراد کو انہی سمجھتے تھے اور ان کو اپنی محدودی کا سختی نہیں سمجھتے تھے اور اکثر مواقع میں دوسروں کے ساتھ الصاف اور رواداری برتتے تھے۔

لیکن یہ انسانی معاشرے کی ترقی کی آخری منزل نہیں تھی، ابھی ایک زمین اور باقی تھا جس کو ہم انٹرنیشنلزم، بین الاقوامیت یا انسانیت عام کہہ سکتے ہیں انسانی معاشرے کی ترقی کی اس آخری منزل پر پہنچنا آسان نہ تھا اسلئے کہ ہمیں بہت زیادہ روکاؤں میں تھیں، ایک قوم کے لئے یہ ناممکن تھا کہ دوسری قوم کے افراد کو اپنی قوم کے افراد کی طرح سمجھے اس کا سبب یہ تھا کہ تمام قوموں کے درمیان بہت سی محسوس اور غیر محسوس مضبوط حدیں قائم تھیں، اور وہ حدیں تہذیب و تمدن، زبان و نسل، اور بعض اوقات مذہب کا اختلاف تھیں اگرچہ سب ہی انسان تھے لیکن مختلف خواص اور ظاہری امتیازات کا اقوام کی ذہنیاتوں پر اتنا گہرا اثر تھا کہ وہ ان حدود کو پار کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتیں اور نہ بظاہر اس کی کوئی خاص ضرورت لوگوں کو محسوس ہوتی تھی۔

لیکن دنیا اور انسان کی ترقی کی رفتار جاری تھی اور وہ دور شروع ہونے ہی والا تھا کہ انسان اپنے حیرت انگیز ہمتیاد کے ذریعہ ایسی چیزیں ایجاد اور اپنے فرائض میں لگا کر ان کے نتیجے میں ساری دنیا ایک برادری کی طرح ہو جائیگی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر لوگوں کو قومی حدود اور ان ظاہری امتیازات کے دائرے سے باہر نہ نکالا جائے تو یہ ایجادات اور فرائض انسان کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے اور انسان کی یہ ترقی ان کے لئے دہائی جان ثابت ہوگی، لیکن ان حدود کو عبور کرنا اور امتیازات کے ان بندھنوں کو توڑنا اور صالح بین الاقوامیت کی تقریرات میں کام لیتا تھا کہ جب تک کوئی مافوق العادت کائنات کی حامل شخصیت رہنمائی کرے انسان اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا

جیسی صدی عیسوی کے نصف اخیر کا زمانہ ہے دنیا میں نیشنلزم (قومیت) کا دور دوسرا ہے۔ ہر قوم اپنی ہی قوم کو بنیادی دنیا کی تمام قوموں سے بہتر اور برتر سمجھتی ہے بلکہ دوسرے قوم کے افراد کو اپنی طرح انسان سمجھنا بھی گوارا نہیں کرتی جو کچھ مراعات ہیں اپنی قوم ہی کے لئے ہیں انصاف ہے تو اپنی ہی قوم کے لئے، حالانکہ انسانیت میں سب شریک تھے لیکن پھر بھی ایک دوسرے سے بے انتہا بد رکھتے تھے اور امتیازات و تشخصات کے پرے سے

ظن سمجھتی ، اکثر و بیشتر قومیں ایک دوسرے سے بڑا و اڑا تھیں انسانیت کا جائزہ نکل چکا تھا کہ ملک عرب میں ایک حیرت انگیز شخصیت ظاہر ہوئی جس نے ان پردوں کو چاک کر دیا ان حدود کو توڑ ڈالا اور تمام قوموں کو یہ بتا دیا کہ اگرچہ تم مختلف اقوام کے افراد ہو لیکن تمہاری اصل ایک ہے وہ ہے تمہاری انسانیت ۔ تمہیں جماعتوں اور گروہوں میں صرف اس لئے تقسیم کیا گیا کہ تم ان تعینات و تشخصات سے ایک دوسرے کو پہچان سکو ، قومیت بھلائی برائی ، شرافت و ذلت کا معیار نہیں ۔ سب میں اچھا وہی ہے جو اچھے کام کرے خواہ وہ کسی قوم کا فرد ہو ، اسی شخصیت کو محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔ یہی دنیا کی دوسری ہے جس نے سب سے پہلے انٹرنیشنل ( بین الاقوامی ) نظام قائم کیا اور مختلف نسل و قوم ، رنگ و روپ کے لوگوں کو ایک ہی ٹٹری میں جے انسانیت کہے تھے یہ پرو دیا یہ تلحی انسان کی اجتماعی ترقی کی آخری منزل

آج دنیا اس قدر ترقی کر چکی ہے لیکن اس منزل سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکی یہی نہیں بلکہ دنیا مجموعی شخصیت سے صحیح معنوں میں بین الاقوامیت کو اپنا نہ سکی ہاں ایک پارٹی انٹرنیشنلزم کے طرہ دار کے فیض محبت سے بن گئی تھی وہ آگے بڑھی اس کے دائرے وسیع ہونے لگے اور ساری دنیا میں انٹرنیشنلزم ( بین الاقوامیت ) پھیل گیا اور اس پارٹی نے انٹرنیشنل پروگرام کو عملی جامہ پہنا کر دنیا کے لئے ایک نمونہ قائم کر دیا ، مگر دنیا میں بہت سی قومیں ایسی ہیں جہں جتنا ۔ شعور اب تک اتنی ترقی نہیں کر سکا کہ بین الاقوامیت کو صحیح معنوں میں قبول کر سکے ، ایسی اقوام سے اس انٹرنیشنلسٹ پارٹی کو ( بین الاقوامی جماعت ) ہمیشہ بڑا ڈراما رہنا پڑا حالانکہ اس سازگاری اور اقوام عالم کی نااہلی سے زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ یہ انٹرنیشنلسٹ پارٹی مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی اور اپنے اپنے قومی دائروں میں گھس گئی ۔

**انسان کی حقیقی ترقی اور زندگی کے ہر شعبے میں نظرت کی رہنمائی | بین الاقوامیت انسانوں کی اجتماعی ترقی کی آخری منزل تھی لیکن انسان کی ترقی یہیں تک ختم نہیں ہو جاتی بلکہ انسان کی حقیقی ترقی یہ نہیں کوئی اور چیز ہے ،**

جہاں انسان میں اور امتیازی خصوصیات ہیں وہاں سب سے بڑی خصوصیت اس میں یہ ہے کہ وہ اپنی عقل و ادراک سے کائنات کی حقیقت پر غور کرتا ہو وہ دیکھتا ہے کہ اس وسیع کائنات میں ایک نظم ہے ، ایک ترتیب ہے کچھ اصول ہیں جن پر کائنات کے سارے کام چلتے رہتے ہیں ، غرض قدرت کے حیرت انگیز کرشمے اس کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ کوئی مافوق الادراک ہستی ہے جو انتہائی قدرت و حکمت اور شعور کی مالک ہے ، اسی نے کائنات کو پیدا کیا اسی نے ہم کو تمام صلاحیتیں بخشیں ۔ اور اشرف المخلوقات بنا یا اس احساس سے انسان کا دل اسکی عظمت کا اقرار کرتا ہے اور اس کے بے انتہا احسانات کے شکر کرنے لگے لئے انسان کی گردن جھک جاتی ہے ۔ انسان کا یہ جذبہ بظری ہے ۔ اسی وجہ سے دنیا کے تمام عقلا میں اختلاف زمان و مکان کے باوجود یہ جذبہ پایا جاتا ہے ، اس احساس سے انسان میں اپنے کو آتشوں سے پاک کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا یہ بات دوسرے جانوروں میں بالکل نہیں پائی جاتی ، انسانی میں یہ امتیازی خصوصیت اس لئے پائی جاتی ہے کہ اس کا طبع دو قوتوں سے جیسے ایک قوت ملکیت دوسری قوت بہیمیہ ، قوت ملکیت انسان کو مافوق الادراک ہستی کی عبادت اور تکریم نفس پر مجبور کرتی ہے ، اور اس کے برخلاف قوت بہیمیہ اسکو ادنی خواہشات ، دھت اور بدنہنگی کی طرف کھینچتی ہے ، انسان کی ان دونوں قوتوں میں برابر کشمکش ہوتی رہتی ہے انسان کا حقیقی کمال یہی ہے کہ وہ اپنی قوت بہیمیہ کو قوت ملکیت کے تابع کرنے کے پھر وہ کمال تمام افعال جو انسان سے ایک حیوان ہونے کی حیثیت سے صادر ہوتے ہیں حکمت ملکیت کے مطابق انجام لانے لگتے ہیں اور یہ حیوانیت ( جو قوت ملکیت کے تابع ہو ) نہ چلے مگر ہونے کے مفید ہو جاتی ہے جیسے ۔ ہڑنا بڑا مار دھاڑ جو انیت کا تقاضا ہے اور اس سے بہت سے نقصانات پہونچتے رہتے ہیں یہ درد و نون کی فصلت ہے ، لیکن

اگر یہ مظلوموں کی حمایت کے لئے ہو تو وصف مغیہ ہی نہیں بلکہ ضروری ہی ہو جاتی ہے اس کے بغیر دنیا میں عدل و انصاف باقی نہیں رہ سکتا۔

غرض انسان کے فطرے تقاضے سے اس میں عبودیت کا اور تزکیہ نفس کا جذبہ پیدا ہوا لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی عملی اور سوس مکمل اور ذرائع ہونے لگے چاہئیں ان کے دریافت کرنے کی انسان نے ہمیشہ کوشش کی بہر حال کامیابی اس کو حاصل نہ ہو سکی اس لئے نفس کی صفائی اور تزکیہ کے اسباب ایسے خفی ہو گئے ہیں کہ ہر شخص کے لئے صحیح منوع میں انکا اور رک تقریباً محلات میں سے ہے۔ اگرچہ عقلی تسلیم والوں کے لئے یہ چیز ممکن ہے لیکن عقل سلیم والے دنیا میں بہت کم پائے جاتے ہیں عام طور پر لوگ روحانی امراض میں گرفتار ہو جاتے ہیں امراض کی وجہ سے انکا وجہان فاسد ہو جاتا ہے جس طرح صغریٰ امراض کا لرین چیزوں کا صحیح ذائقہ معلوم کرنے سے قاصر رہتا ہے اسی طرح بزرگ اعمال کی خاصیتوں کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اسی لئے یہیمید کو لکھ کے تابکر کے اصول دریافت کرنا ان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ اس لئے اس با قدرت و حکمت اور صاحب شہور ہستی نے جو خدائی کائنات ہے اور اپنی مخلوقات سے بے انتہا محبت رکھتی ہے (ظاہر ہے کہ اپنی بنائی ہوئی چیز سے محبت کرنا ہر مانع کی فطرت میں داخل ہے) لگ کر وہ راہ انسان کی رہنمائی کی اور انہیں اس سے ایسی ہرگزیدہ اور پاک ہرستیاں پیدا کیں جنکی عقل سلیم اور روحانیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اور ان کو اپنے پیغامات دیگر بندوں کے پاس بھیجا یہی ہرگزیدہ بند سے بنی کھلاتے کھلاتے ہیں غرض قدرت اس طرح اپنے ہرگزیدہ بندوں کے ذریعہ ہر زمانے میں دنیا کے ہر گوشہ میں حسب ضرورت انسانوں کی رہنمائی کرتی رہی انبیاء نے انسانوں کو تزکیہ نفس اور عبادت کے طریقے بتلائے یہیں نہیں بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی ان کی رہنمائی کی اور انسان کی قدرت کی یہی ہوئی صلاحیت کے بل قدرت کے رہنمائی کی روشنی میں اجتماعی اور حقیقی ترقی کرتا رہا۔

ابتدائی دور میں انسانی معاشرہ سادہ طریقہ پر زندگی بسر کرتا تھا اور ہر قوم ایک محدود حلقے میں رہتی تھی، اس کی ضروریات، اس کے تعلیمات اور اس کے مسائل محدود ہوتے تھے اس لئے جو انبیاء مان کی ہدایت کے لئے تشریف لاتے تھے ان کی تعلیمات زیادہ وسیع، جامع اور سہگہ نہیں ہوتی تھیں اور ان کی تعلیمات کا اکثر و بیشتر حصہ عزیمت پر مشتمل ہوتا تھا اس لئے نہ بدل جانے پر ایک قوم کے لئے دوسرے نبی کی ضرورت پڑتی تھی تاکہ بدلے ہوئے حالات جدید تقاضوں کے مطابق ان کی رہنمائی کرے اس طرح بعد کے نبی کے آنے کی وجہ سے سابق نبی کے دین کے بہت سے قوانین منسوخ ہو جاتے تھے۔ اس اجمالی کا تفصیل حکیم الہند امام ولی اللہ دہلوی کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے

انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں اسباب و مصالح کی وجہ سے اختلاف ہوتا اور وہ اس طرح کہ خدا کے شعائر کچھ احداث کی وجہ سے شعائر بن جاتے ہیں اور احکام کی مقدار میں مقرر کرنے میں مکلفین کی حالتوں اور عادتوں کا لحاظ کیا جاتا ہے، اسی لئے جبکہ نوح علیہ السلام کی قوم کے مزاج بہت ہی سخت تھے (جیسا کہ حق تعالیٰ نے اس کے متعلق متنبہ کیا ہے) اس لئے وہ اسی قابل تھے کہ انکو ہمیشہ روزے رکھنے کا حکم دیا جائے تاکہ اپنی ہیبت کی تیزی کم ہو، اور جبکہ امت محمدیہ کے مزاج ضعیف تھے اس لئے ان کو اس سے روکا گیا اسی طرح اگلی امتوں کے لئے اموال غنیمت حلال نہیں کہتے گئے تھے اور ہمارے لئے

اعْلَمُوا أَنَّهُ إِنَّمَا اخْتَلَفَ شُرَاعُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ  
لِلْمَنَاسِبِ وَالْمَصَالِحِ وَذَلِكَ أَنَّ شُعَائِرَ اللَّهِ إِنَّمَا  
كَانَتْ شُعَائِرَ الْمُجْدِدَاتِ وَأَنَّ الْمَقَادِيرَ يَلَاخِظُ فِي  
شَرْعِهَا أَحْوَالُ الْمَكْلُفِينَ وَكَأَدَاتِهِمْ فَلَمَّا كَانَتْ أُمَمٌ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ  
فِي غَايَةِ الْقُوَّةِ وَالْقِدَامَةِ كَمَا نَبَّأَ عَلَيْهِ الْحَقُّ تَعَالَى اسْتَوْجِبُوا  
أَنْ يُؤْمَرُوا بِإِدْعَاءِ الصَّيَامِ لِتَقَاوُمِ سُورَةِ بَهْمِيَّتِهِمْ وَلَمَّا  
كَانَتْ أُمَمٌ مِنْ قَوْمِ هَازِلٍ الْأُمَمَةِ ضَعِيفَةً نُفُتُوا عَنْ ذَلِكَ، وَ  
لَكَالِمْ يَجْعَلُ اللَّهُ تَعَالَى الْغَنَاءَ حَلَالًا لِلْأَوَّلِينَ وَآحِلًا لَهَا

لَنَا لِمَا رَأَى مُصْعَفًا ۚ وَانَّ مَرَادَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ  
اصطلاح ما عندہم من الارتفاقات فَلَا يَكُنْ لَكُمْ عَنْهَا اِلَّا  
مَا يَمُرُّ بِالْمَلُوفِ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَانَّ مَصْنَعَ الْمَصَاحِفِ  
تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْاَعْصَاكِ وَالْعَاكِاتِ وَرَكَدَ لَكَ  
صَحْفٌ وَفَوْقَ السَّخِجِ ۚ

(ترجمہ: اللہ الباقی جلد اول باب سبب الانزال الشرائع لما تضرعوا)

ہمارے صنف کے پیش نظر حال کر دے گئے: انبیاء علیہم السلام کا مقصد اپنی اپنی قوم کے ارتفاقات کی اصلاح ہوتا ہے (جو ان میں دائر و سائر ہوتے ہیں) اس سلسلے میں انبیاء قوم کے سامنے ایسی ہی چیزیں پیش کرتے ہیں جو ان کیلئے مالوف ہوں اور اس سے کبھی تجاوز نہیں کرتے (الامام شام، اللہ اور مصالح کے موقوفے زمانہ اور عاداتوں کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں اسی وجہ سے لوگوں کا منسوخ کرنا صحیح ہوتا۔)

اس بحث سے شرائع سابقہ کے اختلاف کا سبب معلوم ہو گیا مگر یہ بات اب تک صاف نہیں ہوئی کہ کیا ممکن نہیں تھا کہ ساری دنیا کے لئے ایک ہی مذہب بھیج دیا جاتا۔ جیسا کہ اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام لے آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک انسانوں کا شعور مجموعی طور پر اس لائق نہیں ہوا تھا کہ کسی بین الاقوامی پروگرام کو اپنا سکے، اسلئے کہ وہ اب تک خاندان، نسل اور قومیت کے انحصار میں الجھے ہوتے تھے علاوہ ازیں اس وقت تک ایسے اسباب بھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ ساری دنیا کی متفرق قوموں تک ایک ہی بنیام پہنچا جاسکے اگر اس دور میں ایسا کوئی مذہب آتا تو وہ کسی ایک گوشے میں ہزاروں سال تک رمدار فنا ہو جاتا، یا اگر باقی بھی رہتا تو طویل مدت گزر جانے کی وجہ سے اس کی اصلی شکل سمجھ بوجھاتی اور نزول کے ہزاروں سال بعد دنیا کے دوسرے حصے میں پھیل سکتا اور ایک مدت طویل تک دوسری قومیں ہدایت سے محروم رہتیں۔

**بین الاقوامی نبی کی ضرورت اور اس کے آنے کا وقت** | دنیا میں مختلف زمانے میں مختلف نبی آتے رہے اور مختلف اقوام کو ہدایت فرماتے رہے ہر قوم اپنے دین کی حفاظت کرتی تھی اور اگر کسی جانب سے کسی کے دین پر حملہ کیا جاتا تو وہ مال و جان سے اس کی مدافعت کرتی، اس طرح ایک مذہب دوسرے مذہب سے ٹکراتے گا مذہب مذہب کی ٹر بنیاد کھڑنے لگا اور دنیا میں ایک فساد برپا ہو گیا، ایسے وقت میں ایک امام عادل کی ضرورت پڑی کہ وہ تمام مذاہب میں سمجھوتہ کرائے اور لوگوں کو یہ بتائے کہ اگرچہ ہر مذہب کا طور طریقہ جداگانہ ہے مگر تمام ادیان کی اصل ایک ہے۔ جو کچھ فرق ہے وہ ظاہری شکلوں کا فرق ہے۔ اور یہ مختلف اقوام کی طاقت و عادات و اطوار کے اختلاف کی وجہ سے ہے، اصل حقیقت ایک ہی ہے جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ امام تمام سابق ادیان کی تصدیق کرتا ہے۔ اگلے دینوں میں جو باتیں لوگ ہوائے نفسانی کی وجہ سے پیدا کر دیتے ہیں ان کو دور کر دیتا ہے اور پھر تمام سابق مذاہب کی عبادی چیزوں کو جمع کرتا ہے اور اپنے زمانے کے مطابق اس کو عملی جامہ پہناتا ہے اور تمام لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ سارے جھگڑے ختم ہوں۔ اور انسانیت تباہی و بربادی سے بچ جائے،

قومی انبیاء اور بین الاقوامی نبی میں بڑا فرق ہوتا ہے ایک صلاحیت کے اعتبار سے اور ایک دین کے اعتبار سے  
رتبہ اور صلاحیت کے اعتبار سے انبیاء سابق اور رسول اللہ میں فرق | انبیاء سابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رتبہ اور صلاحیت کے اعتبار سے جو فرق ہے اس کو حکیم الہند امام علی الدہلوی بڑی وضاحت سے بیان فرماتے ہیں، ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ  
”انسان کے اعلیٰ طبقات میں سے اعلیٰ نہیں کا طبقہ ہے، ان کی قوت فکریہ بہت ہی قوی ہوتی ہے اور وہ معتدل مزاج والے اور خلقت و خلق میں معتدل اور متعصب ہوتے ہیں۔ ان کی کئی قسمیں ہیں

(۱) کمال :- جس شخص کو اکثر حالات میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے عبادات کے ذریعہ تہذیب نفس کے علوم حاصل ہوتے ہیں وہ کامل ہے  
(۲) حکیم :- جسے اخلاق فاضلہ اور تہذیب منزل کے علوم ملتے ہیں وہ حکیم کہلاتا ہے  
(۳) خلیفہ :- جسے اکثر حالات میں بین الاقوامی سیاسیات کے امور سمجھائے جاتے ہیں اور جسے عام لوگوں میں عدل قائم کرنے اور ان میں ظلم و جور دور کرنے کی توفیق ملے وہ اصطلاح میں خلیفہ کہلاتا ہے

(۴) مؤید بروج القدس :- جو کمال اعلیٰ سے قرب ہو اور کمال اعلیٰ کے فرشتے اسے تعلیم دیں، اس سے گفتگو کریں، اسے نظر آئیں، اور جس طرح طرح کی کرامتیں ظاہر ہوں:  
(۵) ہادی منزلی :- جس کے دل اور زبان پر نور ہو اور جس کے پاس سچے اور سچی نصیحت سننے سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور جس سے اس کے دوستوں کے سکینہ اور نور حاصل ہوتا ہو اور اس کے ذریعہ سے وہ کمال کے بلند مرتبہ حاصل کریں اور وہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے کوشاں ہو

(۶) امام :- جس کے علم و معرفت کا بیشتر حصہ ملت کے اصول و مصلحت پر مشتمل ہو اور جو اصول ملت اور مصلحت کی منہدم ہو گئے ہوں ان کے قائم کرنے کی کوشش میں لگن ہو  
(۷) مؤئید :- جس کے دل میں یہ بات ڈالی جائے کہ وہ لوگوں کو خبر دے کہ انہی ہدایتیں جمع ہو کر ان کے لئے ایک بہت بڑی مسیبت دنیا میں لانے والی ہیں یا وہ بجانب کمال اعلیٰ میں ایک قوم کو اس کے اعمال کی بنا پر اس کی رحمت کی غیر مستحق قرار دیدیگا ہے اور وہ اس کی شرانگہ دیر سے یا وہ کبھی کبھی اپنے نفس سے مجبور ہو کر معرفت حاصل کرے کہ قرب اور شرف میں کیا باتیں پیش آنے والی ہیں اور ان سے لوگوں کو آگاہ کرے اسے مندر لکھتے ہیں

نبی کی تعریف :- جب حکمت اللہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ انہیں میں سے خلق کی طرف ایسے شخص کو بھیجا جائے جو ان کی تاریکیوں سے نوز کی طرف لے گا سبب بن سکے اور اللہ تعالیٰ لازم کرے کہ اس شخص کی اطاعت جسم و روح سے کی جائے، اور کمال اعلیٰ میں یہ بات پختہ طور پر طے ہو جائے کہ جو شخص اس کی اطاعت اختیار کرے اور اس کے ساتھ مل کر کام کرے وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہے اور جو شخص اس کی مخالفت کرے اور اس سے دشمنی کا اظہار کرے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا متحمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس کی خبر بھی دے گا اور اس کی اطاعت لازم کرے اسے نبی کہتے ہیں ۷

مفتیین کی تمام قوموں اور نبی کی تعریف بیان کرنے کے بعد امام ولی اللہ بین الاقوامی نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بیان فرماتے ہیں  
انبیاء میں سب سے بزرگ اور بڑا وہ ہے جس کی بعثت کی ایک اور غرض بھی ہے، ایک تو یہ کہ وہ نبی خود لوگوں کو تادیبی سے توبہ میں لائے اور دوسرے اس کی قوم دوسری اقوام کو ظلمت سے نوز کی طرف لانے کا ذریعہ ہے (گویا اپنی بعثت قومی اور بین الاقوامی دونوں) پہلی بعثت کی طرف پہلی

آیت سے اشارہ ہوتا ہے

خدا ہی نے ان پڑھوں میں ان میں سے ایک رسول بھیجا  
جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ سنانے

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منہم  
یہلوا علیہم ایتہ

اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے

ہو تم اچھے امت تمام لوگوں کی نفع رسانی کے لئے  
مکہ دنیا میں بھیجا گیا کہ لوگوں کو نیکیوں کا ارکھو اور برائیوں کو

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس  
تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر

اسکے علاوہ یہ کہ اگلے انبیاء مفتیین کی مذکورہ بالا صفات میں سے ایک یا دو صفات کے جامع ہو کر آئے تھے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات

کے جا کے جامع تھے

انبیاء سابق کی شریعتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں فرق انبیاء سابق کی شریعتیں ایک خاص قوم اور محدود زمانے کے لئے آتی تھیں۔ اس لئے ان کی شریعتوں میں ان کی اقوام کی عادات ہی کا لحاظ رکھا جاتا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چونکہ مسامی دنیا کی اقوام کی ہدایت کی غرض سے رہتی دنیا تک کے لئے بھیجی گئی اس لئے ضروری تھا کہ ان کی شریعت میں تمام اقوام کی رعایت کی جائے تاکہ عادات اور زمانے کے اختلاف کے باوجود تمام قومیں ہر زمانے میں اسکو قبول کر سکیں، ظاہر ہے کہ اگر اس مذہب کی کتاب زیادہ تر جزئیات پر مشتمل ہوتی تو تمام اقوام کے لئے، ہر زمانے میں اس پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا۔ اس لئے کتاب اللہ میں عام طور پر اجمالی اور کلی باتیں بیان کی گئیں

دوسری خصوصیت اس دین کی یہ ہے کہ اسکا تمام ادیان پر غالب کرنا ضروری قرار دیا گیا، اس لئے کہ یہ آخری دین ہے اور ایسے وقت میں آیا جب کہ دنیا اجتماعی ترقی کی آخری منزل (عین الاقوامیت) کی طرف گامزن ہونے کے لئے تیار تھی اس مذہب نے اگر عین الاقوامیت کی راہ بتائی اور اس آخری ترقی یافتہ معاشرے کا پروگرام بنادیا، اس لئے وہ تمام پروگرام جو ایک محدود وقت اور خاص حالات کیلئے بنائے گئے تھے اس منزل پر پروگرام (عمومی نظام) کے آنے کے بعد منسوخ ہو گئے تیسری خصوصیت اس دین کی یہ ہے کہ چونکہ اس دین کو سارے عالم میں پھیلا دینا تھا اس لئے یہ ضروری ہو گیا کہ یہ اپنی محبت سے ایک ایسی باطنی بنائے جو اس پروگرام کو دنیا میں پھیلانے

جو حق خصوصیت یہ کہ خلافت کا بھی قیام کیا جائے تاکہ اس پروگرام کے قبول کرنے میں لوگوں کو جو رکاوٹیں پیش آئیں وہ دور ہو سکیں اور یہ پروگرام شان و شوکت سے پھیلے اس کے علاوہ قیام خلافت سیاسی اور اجتماعی اعتبار سے بھی انسانی معاشرے کی ترقی کی آخری منزل ہے وہ اس طرح کہ جب انسان نے تمدن اختیار کیا اور ایک دوسرے کیساتھ اس کے روابط بڑھے تو ان میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے معاشرے میں فسادات ہونے لگے، لوگوں کی حق تلفی ہونے لگی، جان و مال عزت و کبر و دھوکہ و لاف و ہونہار و غیور گئی تو تنظیم کی ضرورت پڑی رفتہ رفتہ قومی حکومتیں قائم ہو گئیں، پھر حکومتیں قومی میں جنگ شروع ہوئی اور باہمی پھیل گئی تو اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا کہ ان حکومتوں کو آپس میں ٹکرائے سے روکنے کے لئے ایک عام عادل کا ظہور ہو، اور وہ ان سب پر غالب آجائے اور ان سب کو لڑنے سے روک دے اور ایسے قوانین نافذ کرے جن کی بنا پر سب کے ساتھ انصاف کیا جاتے لیکن دنیا ایسے قوانین بنانے میں ہمیشہ ناکام رہی تاکہ خود ہی نبی الہی آتا رہے جو جہاں محمد مصطفیٰ رحمتی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوتے اور اس خلافت کی بنیاد ڈالی اور ایسے قوانین نافذ کئے جن سے سارے عالم میں کامل امن ہو سکے اور سب کو حقوق ملیں

ایک شبہ کا ازالہ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیا قوانین بنانے میں اپنی قوم کی عادات و خصائص کا زیادہ لحاظ کرتے ہیں وہ نئے رسوم و رواج پیدا نہیں کرتے بلکہ اپنی قوم کے رسوم میں حسب ضرورت اصلاح کرتے ہیں، جب فساد نہ ہو جاتا ہے حالات بدل جاتے ہیں علاوہ بریں ہر قوم کے طور طریقے بدل گاتے ہوتے ہیں، اس لئے جس مذہب نے عرب میں جنم لیا ہے اور عرب ہی میں اس کو پھیلنا چاہیے، اس کو پھیلنا چاہیے، دوسرے اقوام کے لئے اور پھر سبھی دنیا تک تمام اقوام کے لئے کافی اوصاف کے مطابق کیسے ہو سکتا ہے، حکیم الہند امام دلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ذیل بیان سے یہ شبہ زائل ہو جاتا ہے

وہذا الامام الذی یجمع الامم علی ملۃ واحدۃ یتحتاج الی اصول اخری غیر الاصول الذکورۃ فیہما سبق۔ منها یہ امام جو تمام قوموں کو ایک مذہب پر لانا چاہتا ہے اسکو اور چند اصول کی جو اصول مذکورہ بالا کے علاوہ ہیں حاجت پڑتی ہے۔ انہیں سے لکھا ہے



کہ وہ ایک قوم کو راہ راست پر لاتا ہے، اسکی اصلاح کرتا ہے، اسکو پاک بنا دیتا ہے پھر اس کو اپنا دست و بازو قرار دیتا ہے

یہ اس لئے کہ یہ تو نہیں سکتا کہ یہ امام تمام دنیا کی قوموں کی اصلاح میں جان کھپاتے اسلئے ضرور ہوتا کہ اسکی شریعت کی اصل بنیاد وہ ہو جو تمام عرب و عجم کا فطری مذہب ہے

اسکے ساتھ خاص اسکی قوم کے عادات اور رسومات کے اصول بھی لئے جائیں اور انکے حالات کا لحاظ بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ تر کیا جاتی پھر تمام لوگوں کو اس شریعت کی پیروی کی تکلیف دی جائے، کیونکہ یہ تو نہیں سکتا کہ ہر قوم کو اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنائیں اور شریعہ محض بے فائدہ ہوگی، نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر قوم کی عادات اور خصوصیات کا تجسس کیا جائے اور ہر ایک کے لئے الگ الگ شریعت بنائی جائے اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہیں کہ، شخائر، تقریرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کی عادات کا لحاظ کیا جائے جن میں امام بنیاد ہوتا ہے اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چند ان سخت گیری نہ کی جائے

غرض اس میں الاتوامی دین میں تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے، اسکی اصل بنیاد ایسی چیزوں پر رکھی گئی جو تمام عالم کا فطری مذہب ہے اور اگرچہ شخائر و عیوض میں خاص عرب کے مزاج کا لحاظ رکھا گیا لیکن انکی پابندی دوسری اقوام کے لئے اتنی زیادہ ضروری قرار نہیں دی گئی اور انکے مجتہدین، راہنمین فی العلم اور حکماء کا یہ فریضہ قرار پایا کہ وہ ہر ملک کی عادات و رسوم کے پیش نظر قرآن کے علی محوئے (سات راہ) کو سامنے رکھ کر قرآن کے اجمالی قوانین کی تشریح کریں جو اصل قانون کی روح کے مطابق ہو، اسکی ضرورت نہیں ہر زمانے میں انبیاء اکرم قرآن پر عمل کرنے کی صورتیں بتائیں یہی مطلب ہے علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل کا (باری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں

انبیاء بنی اسرائیل دین موسوی کی توضیح اور تشریح اور بدلے ہوئے زمانے سے تطبیق دینے کے لئے تشریف لاتے تھے امت محمدیہ میں یہ کام ائمہ اور مجددین کے سپرد کیا گیا حسب ذیل آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

(آیت کے نزول کے وقت) آپ اپنی زبان نہ ہلاتے کہ جلد ہی یاد کر لیں (آپ نہ گھبراتے) اس کا (قرآن کی آیتوں کا) جمع کرنا اور بڑھانا ہرگز ہوتا ہے جس جہر میں ہر طرف سے پڑھیں آپ انکی پیروی کیجئے (یعنی توحید سن لیجئے)

ان یدعوقوماً الى السنة الراشدة ويصلح شأنهم ثم يتخذهم بمنزلة جوارحه

وذلك لان هذا الامام نفسه مجاهدة امم غير محصورة واذ كان كذلك وجب ان يكون مادة شريعته ما هو بمنزلة المذهب الطبيعي لاهل الاقاليم الصالحة عنهم وعجمهم ثم ماخذ قومهم من العلم والارتقاقات ويرعى في حالهم اكثر من غيرهم ثم يحمل الناس جميعاً على اتباع تلك الشريعة لانه لا سبيل الى ان يفوض الاموال الى كل قوم والى ائمة كل عصر اذ لا يصلح منه فائدة التشريع اصلاً ولا الى ان ينظر ماخذ كل قوم ويعاين كلامهم فيجعل لكل شريعة فلا احسن ولا اليسر من ان يعتمد في الشرائع والحدود والارتقاقات عادة قوم المبعوث فيهم و يضيّق كل الضيق على الآخرين الذين ياتون بعد (شعبي بحوالہ محمد بن عبد الجبار والدين شيخ الادب)

لَا تَحْزَنْ بِهِ لِسَانُكَ لِنَعْلَمَ بِهِ  
اَنْ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ  
فَاِذَا قَرَأْتَهُ فَسَاتِبْهُ قُرْآنَهُ

لَقَدْ آتَيْنَاكَ بَيِّنَاتٍ

پھر ہمارے ذمے اس کا بیان کرنا ہے

ہمارا مطلب اس آیت کے آخری ٹکڑے سے ہے، اس کی تفسیر مسند علی علیہ السلام کی روشنی میں یہ ہے کہ

پھر ہمارے ذمے یہ ہے کہ ہر زمانے میں ایسے کامل افراد پیدا کریں جو قرآن کو حالات حاضرہ کے ساتھ منطبق کریں اور اپنے زمانے کے

مقتضیات کے لئے قرآنی احکام عمل مرتب کر سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت

بین الاقوامی نبی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خاتم النبیین بھی ہوں، خاتمیت کے دو معنی ہیں ایک تو یہی

کہ وہ سب سے آخری نبی ہوں اور ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے یہ اس لئے کہ انسانی معاشرے کی ترقی کی آخری منزل بنی الاقوامیت ہے جب اس منزل کے لئے سارے قوانین مرتب ہو گئے اسکے بعد کسی اور قانون کے آنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، ہاں اگر معاشرہ و انسانی کی ترقی کو اور منزل ملتی رہتی تو اسکا امکان تھا لیکن اب کوئی منزل باقی نہیں، بین الاقوامیت کا دائرہ وسیع بہت ہی وسیع ہے یہی دائرۃ انسانیت ہے انسان اس سے باہر قدم نکال ہی نہیں سکتا، اگر اس زمین کے علاوہ باہر کچھ زمینیں اور دریاؤں اور وہاں بھی انسانی آبادی پھیلے گی وہ سب اسی دائرہ میں آجائیں گے اور ان سب کا جو مشترکہ نظام ہو گا وہ بین الاقوامیت اور انسانیت عامہ ہی پر مبنی ہو گا۔ ہاں قرآنی نظام کے نفاذ کی تشکیل ہرگز سے میں جہاں نہ ہوں گی لیکن اس کے لئے جدید کتاب یا جدید نبی کی ضرورت نہ ہوگی اللہ اور خود دین کا فرض یہ ہو گا کہ وہ ہرگز سے میں وہاں کے حالات کے پیش نظر تشریعی قوانین (باقی لازم) مرتب کریں جو اصل روح کے مطابق ہوں اور اس کے معارض نہ ہوں یہی مطلب ہے تکمیل دین کا جو کل بیان ذیل کی آیت میں ہے۔

آج ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ

اور میں تمہارے دین اسلام ہی سے راضی ہوں۔

رَضِيتُ وَ كَرِهْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ وَ دِينًا ط

یہ آیت قوم عرب کے سامنے سنائی گئی لیکن اس کے مخاطب اصلی وہی جماعت نہ تھی جو وہاں موجود تھی بلکہ تمام انسانیت تھی اور وہ افراد جو وہاں (اس آیت کے نزول کے وقت میدان عرفات میں) موجود تھے وہ انسانیت عامہ کے ایک فرد کی حیثیت مخاطب تھے،

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آج تک جو دین ہم ساری دنیا کی مختلف زمانوں میں بھیجتے رہے اسکو ہم نے آج مکمل کر دیا اس لئے کہ اب انسانی شعور مکمل ہو چکا ہے بین الاقوامی ادارے کی بنیاد پڑ چکی اور یہ قوانین اس آخری منزل کے لئے بنائے گئے ہیں اس کے اصول ایسے عام اور ہمگیر اور انسانیت عامہ کے پیش نظر بنائے گئے ہیں جو ساری دنیا کے لئے قیامت تک کافی ہوں گے اس میں یہ کمی نہیں کہ صرف ایک خاص زمانے میں ایک خاص قوم ہی میں رائج ہو سکے۔ ادیان سابقہ نیز یہ کمی تھی اس لئے وہ کامل دین نہ تھے کامل دین وہی ہے جو ساری دنیا کے لئے ہر زمانے میں کام دے

اس کے علاوہ خاتمیت کے ایک اور معنی بھی ہیں وہ یہ کہ جتنے انبیاء سابق تھے وہ سب کے سب نور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہوتے تھے بالکل اسی طرح جس طرح آئینہ آفتاب سے روشنی حاصل کر کے درود و بار کو منور کرتا ہے، لیکن یہ روشنی اسکی ذاتی نہیں ہوتی بلکہ آفتاب سے استعار ہوتی ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ذاتی ہے اور دوسرے انبیاء کی عرفی اس صورت میں آپ کے خاتم النبیین ہونے کے معنی یہ ہونگے کہ جیسے ایک شخص دلوں کو آئینہ کی روشنی سے منور دیکھتا ہے وہ دھونڈتا ہے کہ یہ روشنی کہاں سے آرہی ہے اس کی نظر آئینے پر پڑتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ یہ روشنی آئینہ کی روشنی ہے لیکن چونکہ آئینے کی روشنی اسکی ذاتی نہیں ہے اس لئے اس کو کچھ تلاش ہوتی ہے کہ آئینہ میں روشنی کہاں سے آئی پھر اسکا ذہن آفتاب کی طرف منتقل

ہوتا ہے اور اس کی توجہ ختم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ روشنی آفتاب کی ذاتی ہے پھر وہ یہ دیکھنے کی سعی لا حاصل نہیں کرتا کہ آفتاب کی روشنی کہاں سے آتی، یہی حال نبوت کا ہے دوسرے انبیاء آپ کے فیض سے اس طرح مستفیض ہوتے ہیں جس طرح آئینہ آفتاب کی روشنی سے، اس حدیث سے اس نکتے کی طرف اشارہ ہے

انی عند الله لخاتم النبیین وان آدم  
لمنجدل بین الماء والطين

میں خدا کے نزدیک اسی وقت خاتم النبیین تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی میں  
پڑے ہوئے تھے (یعنی ان کا خیر بن رہا تھا)

غرض آپ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی سے خاتم النبیین تھے آپ کی خاتمیت غیر زمانے میں آئی ہی پرنہ نہیں ہے اور اگر خاتمیت کے پہلے معنی  
تھے جتنی تو تخلیق آدم سے پہلے آپ کا خاتم النبیین ہونا کیا منہ رکھتا ہے،

یہ سچ آپ کے جل جہان تاب کی ہلکی سی جھلک اور ان کے بے انتہا کمال کا دھندلا سا خاکہ محدود انسانوں کے بس سے باہر ہے کہ ان  
کے غیر محدود کمال و حال کی حقیقت سمجھ سکے،

لا یمکن الشاع کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توفی مختصا  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

## حکیم محمد زوالقرنین امرتسری

کی تیار کردہ ادویات

- (۱) قسرس سعال۔ ہر قسم کے نزلہ زکام اور کھانسی کی خاص دوا ہے جو مرض بہت جلد قطع متع کر دیتی ہے۔ اور نہایت خوش ذائقہ اور لذیذ ہے جو بچے بھی بڑی خوشی سے کھاتے ہیں۔ قیمت فی درجن ۶ علاوہ پیکنگ و مصروفات
  - (۲) سرمہ قرۃ العین۔ جو ضعف بصر کے علاوہ جملہ امراض چشم کے لئے عمدہ و مفید ہے۔ قیمت فی شیشی چھ لونہ ۶ علاوہ پیکنگ و مصروفات
  - (۳) کتب مقوی دماغ جو دماغی کام کرنے والوں کے لئے بہت مفید ہے۔ جو اعصابی کمزوری اور دماغی ضعف کو چھ لویوم میں دور کر دیتی ہے جو اکثر اطفال مجنون اور طووس سے متغی کر دیتی ہے۔ اور کھانا بہت آسان ہے۔ ایک چھوٹی سی گولی دودھ کیساتھ صبح و شام استعمال کی جاتی ہے قیمت فی درجن صرف چھ
  - (۴) سفوف شیرین۔ یہ ایک میٹھی اور خوش ذائقہ سفوف ہے جو بچوں کی بدھنی دست وغیرہ جملہ امراض کے لئے عمدہ و مفید ہے۔ اور بچوں کیلئے ہر قسم کے امراض اور کراتیہ و اکثریہ بر جہا بہتر ہے اور بچوں کیلئے اعلیٰ درجہ کی ہے قیمت فی شیشی چھ علاوہ پیکنگ و مصروفات
- جملہ امراض کا علاج نہایت خوب و فکر سے کیا جاتا ہے۔ امرتسری دواخانہ بلا لا ۱۹ سہ کو کھانا

# مَعْلَمَات

حزب دستور اسلام حزب الانصار کا جلسہ پورے اہتمام سے کیا جا رہا ہے۔ مگر اس نفع فضا بدل چکی ہے اور اہم مرض و سما میں غیر معمولی تغیر و تبدل ہو چکا ہے۔ ملک ہند کی تقسیم سے پاکستان نفع مند مقامی قائم ہو گیا ہے۔ لیکن خلاف توقع اس قیامت صغریٰ کا ہولناک نقشہ ہمارے سامنے ہے کہ مشرقی پنجاب اور اس کے ٹھکانے سے کم و بیش ساٹھ لاکھ مسلمان پاکستان کی نوزائیدہ سلطنت میں وارد ہو چکے ہیں اور مغربی پنجاب سے تقریباً چالیس لاکھ غیر مسلم ترک وطن کر چکے ہیں۔ انسانی آبادی کی اس تبدیلی سے جو مناسب انسانی نفوس پر عموماً اور مسلمانان پنجاب پر خصوصاً وارد ہوتے ہیں۔ ان میں غذائی بحران اور انتہائی درجہ کا قحط ابھی تک ہمارا دامن نہیں چھوڑ رہا۔ اس سے جہان ہمارے پناہ گیر بھائی تکلیف میں ہیں اسی قدر ہم اصلی باشندگان مرکزی پنجاب بھی مبتلا مصیبت ہیں۔ باوجود کٹر مل اور راشن کی کوششوں کی غلہ نایاب ہے اور اس قدر گران ہو رہا ہے جس کی فطرتاً ہی پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اسلامی حکومت محکمات خداداد پاکستان میں اسلامی اجلاس کا انعقاد اگر یہ بہت آسان اور سہل ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر اس موجود قحط میں خاص طور پر اور منطقہ حکام نے عام طور پر ہمارے جلسے کے لئے مشکلات بہت زیادہ بڑھا دی ہیں۔ جن کا تدارک ہمارے بس کی بات نہیں۔ قارئین شمس الاسلام سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ الکریم جلسہ کو کامیاب و کامران فرمائے آمین یا نبی الامین

## مَوْتُ الْعَالِمِ وَفَاتِ تَسَكُّتِ الْإِيمَانِ مَوْتُ الْعَالِمِ

نہایت رنج و الم سے قلمی ہے کہ محترم صاحبزادہ مولوی محمد عبدالصاحب خلف الرشید قلعہ حضرت مولانا میاں محمد صاحب مرحوم مغفور غفرودی مورخہ ۵ ربیع الآخر کو اس دار فانی سے دایبقا کو رحلت فرما گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم صاحبزادہ صاحب کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین

شریکو غم غلام حسین (منیجر شمس الاسلام)

شمس الاسلام کی توسیع اشاعت فرما کر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ رسالہ حسن دین حق کی تبلیغ کی غرض سے جاری ہے۔ لہذا ہر قسم کی امداد فرما کر اپنے فرض سے سبکدوش نہ ہوں۔



دی ہوئی ہدایت کے مطابق، اسکی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر کام کر کے اس کا منشا پورا کرنا ہوگا۔

خلافت کی اس تشریح کے سلسلے میں اتنی بات اور سمجھ لیجیے کہ اس معنی میں اسلامی نظریہ سیاسی کسی ایک شخص یا فائدہ انداز یا طبقہ کو خلیفہ قرار نہیں دیتا بلکہ اسکی پوری سوسائٹی کو خلافت کا منصب سونپتا ہے جو توحید اور رسالت کے بنیادی اصول کو تسلیم کر کے نیا بت کی شرطیں پوری کرتے ہوئے برآمد ہو۔ ایسی سوسائٹی بحیثیت مجموعی خلافت کی حامل ہے اور یہ خلافت اس کے ہر ہر فرد کو پہنچتی ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں اسلام میں ”جمہوریت“ ابتدا ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد خلافت کے حقوق اور اختیارات رکھتا ہے۔ ان حقوق و اختیارات میں تمام افراد بالکل برابر کے حصہ دار ہیں۔ کسی کو کسی پر نہ ترجیح حاصل ہے اور نہ ہی حق پہنچتا ہے کہ اسے ان حقوق و اختیارات سے محروم کر سکے۔ ریاست کا نظام نظم و نسق چلانے کے لئے جو حکومت بنائی جائیگی وہ اپنی افرادی مرضی سے جنگی۔ یہ لوگ اپنے عقائد خلافت کا ایک حصہ اسے سونپیں گے۔ اس کے بننے میں ان کی رائے شامل ہوگی اور ان کے مشورے ہی سے وہ چلیگی جو انکا اعتماد حاصل کر لیا وہ انکی طرف سے خلافت کے فرائض انجام دیگا۔ اور جو ان کا اعتماد کھو دیگا اسے حکومت کے منصب سے ہٹا دیا جائیگا۔ اس لحاظ سے اسلامی جمہوریت ایک مکمل جمہوریت ہے، اتنی ہی مکمل جتنی کوئی جمہوریت مکمل ہو سکتی ہے۔ البتہ جو یہ اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مغرب کا سیاسی نظریہ ”جمہوری حاکمیت“ کا قائل ہے اور اور اسلام جمہوری خلافت کا۔ وہاں جمہور خود بادشاہ ہیں اور یہاں بادشاہی خدا کی ہے اور جمہور اس کے خلیفہ ہیں وہاں اپنی شریعت جمہور آپ بناتے ہیں یہاں انکو اس شریعت کی پابندی کرنی ہوتی ہے جو خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ دی ہے۔ وہاں حکومت کا کام جمہور کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے، یہاں حکومت اور اس کے بنانے والے جمہور سب کا کام خدا کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ مغربی جمہوریت ایک مطلق العنانی خدا کی ہے۔ جو اپنے اختیارات کو آزادانہ استعمال کرتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی جمہوریت ایک پابندائیں بندگی ہے۔ جو اپنے اختیارات کو خدا کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اسکی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرتی ہے، اب میں آپ کے سامنے اس ریاست کا ایک مختصر گردِ خارج نقشہ پیش کر دیتا ہوں جو توحید، رسالت، اور خلافت کی ان بنیادوں پر بنتی ہے:-

**اسلامی ریاست کا مقصد** | اس ریاست کا مقصد قرآن میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ وہ ان جملہ تئوں کو قائم کرے، فروغ دے، پر وہاں چڑھائے جن سے خداوند عالم زندگی کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے، اور ان ہمتوں کو روکے، دبائے اور مٹائے جن کا وجود انسانی زندگی میں خداوند عالم کو پسند نہیں ہے۔ اسلام میں ریاست کا مقصد نہ صرف نظام ملکی ہے اور نہ یہ کہ وہ کسی خاص قومی اجتماع یا خواہشات کو پورا کرے اس کے بجائے اسلام اس کے سامنے ایک بلند نصب العین رکھ دیتا ہے جس کے حصول میں اس کو اپنے تمام وسائل و ذرائع اور اپنی تمام طاقتیں صرف کرنی چاہئیں اور وہ یہ ہے کہ خدا اپنی زمین میں اپنے بندوں کی زندگی میں جو پاکیزگی، جو حسن، جو فیض و صلاح اور جو ترقی و فلاح دیکھنا چاہتا ہے، وہ دیکھتا ہو اور لگاؤ کی ان تمام صورتوں کا مستجاب ہو جو خدا کے نزدیک اسکی زمین کو اجاڑنے والی اور اس کے بندوں کی زندگی خراب کرنے والی ہیں۔ اس نصب العین کو پیش کرنے کے ساتھ اسلام ہمارے سامنے خیر و شر دونوں کی ایک واضح تصویر رکھتا ہے جس میں مطلوب بھلائیوں اور نا پسندیدہ برائیوں کو صاف صاف نمایاں کر دیتا ہے اس تصویر کو نگاہ میں رکھ کر ہر زمانے میں اوپر ماحول میں اسلامی ریاست اپنا اصلاحی پروگرام بنا سکتی ہے

**پالیسی** | اسلام کا مستقبل تقاضا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی اصولوں کی پابندی کی جائے۔ اس لئے وہ اپنی ریاست کے لئے بھی یہی پالیسی پیش کر دیتا ہے کہ اسکی سیاست بے لاگ انصاف، بے لوث سچائی اور کھری ایمان داری پر قائم ہو۔ وہ ملکی یا انتظامی یا قومی مصلحتوں کی خاطر جھوٹ ”فریب“ اور بے انصافی کو کسی حال میں گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، ملک کے اندر راعی اور رعایا کے باہمی تعلقات جوں یا ملک کے باہر دوسرے قوموں کے ساتھ تعلقات، دونوں میں وہ صداقت، دیانت اور انصاف کو اغراض و مقاصد پر مقدم رکھنا چاہتا ہے۔ مسلمان افراد کی طرح مسلم ریاست بہ بھی وہ یہ

پابندی عائد کرتا ہے کہ عہد کردہ تو اسے وفا کرو، لیکن اور دینے کے پیمانے یکساں رکھو، جو کچھ کہتے ہو وہی کرو اور جو کچھ کرتے ہو وہی کہو، اپنے حق کے ساتھ اپنے فرض کو بھی یاد رکھو، اور دوسرے کے فرض کے ساتھ اس کے حق کو بھی نہ بھولو، طاقت کو ظلم کی بجائے انصاف کے قیام کا ذریعہ بناؤ، حق کو ہر حال حق سمجھو اور اسے ادا کرو اور اقتدار کو خدا کی امانت سمجھو اور اس یقین کے ساتھ اسے استعمال کرو کہ اس امانت کا پورا حساب تمہیں اپنے خدا کو دینا ہے۔

اسلامی ریاست اگرچہ دین کے کسی خاص نقطہ ہی میں قائم ہوتی ہے مگر وہ نہ انسانی حقوق کو ایک تجزائی حدیں محدود رکھتی ہے اور نہ شہریت کے حقوق کو۔ جہانگ انسانیت کا تعلق ہے اسلام ہر انسان کے لئے چند بنیادی حقوق قرار دیتا ہے اور ہر حال میں ان کے احترام کا حکم دیتا ہے خواہ وہ انسان اسلامی ریاست کی حدود میں رہتا ہو یا اس سے باہر، خواہ دوست ہو یا دشمن، خواہ صلح رکھتا ہو یا برسرِ جنگ ہو، انسانی خون ہر حالت میں محترم ہے اور حق کے بغیر اسے نہیں ہایا جاسکتا۔ عورت، بچے، بوڑھے، بیوا۔ اور زخمی پر دست درازی کرنا کسی حال میں جائز نہیں عورت کی عصمت ہر حال احترام کی مستحق ہے اور اسے بے آبرو نہیں کیا جاسکتا۔ بھوکا آدمی روٹی کا، تنگا کپڑے کا، اور زخمی یا بیمار آدمی علاج کا اور تیمارداری کا ہر حال مستحق ہے خواہ وہ دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو، یہ اور ایسے چند دوسرے حقوق اسلام نے انسان کو بحیثیت انسان ہونے کے عطا کئے ہیں اور اسلامی ریاست کے دستور میں انکو بنیادی حقوق کی جگہ حاصل ہے، رہے شہریت کے اصول حقوق، تو وہ بھی اسلام صرف اپنی لوگوں کو نہیں دیتا جو اس کی ریاست کی حدود میں پیدا ہوتے ہوں بلکہ مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں پیدا ہوا ہو اسلامی ریاست کے حدود میں داخل ہوتی ہی آپ سے آپ اسکا شہری بن جاتا ہے اور میدانِ شہریت مشترک ہوگی، مسلمان کو کسی اسلامی ریاست میں داخل ہونے کے لئے پاسپورٹ کی ضرورت نہوگی۔ مسلمان کسی نسلی، قومی یا طبقاتی امتیاز کے بغیر اسلامی ریاست میں بڑے سے بڑے ذمہ داری کے منصب اہل ہو سکتا ہے۔ ذمیوں کے حقوق غیر مسلموں کے لئے جو کسی اسلامی ریاست کے حدود میں رہتی ہوں اسلام نے چند حقوق معین کر دیے ہیں اور وہ لازماً دستور اسلامی کا جزو ہوں گے۔ اسلامی اصطلاح میں ایسے غیر مسلم کو ”ذمی“ کہا جاتا ہے یعنی جس کی حفاظت کا اسلامی ریاست نے ذمہ لے لیا ہے، ذمی کی جان و مال اور آبرو مسلمان کی جان و مال اور آبرو کی طرح محترم ہے، خود صدارتی اور دیوانی قوانین میں مسلم اور ذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں، ذمیوں کے پرسنل لاء میں اسلامی ریاست کوئی مداخلت نہ کرے گی۔ ذمیوں کو ضمنیہ واقعات اور مذہبی رسوم و عبادات میں پوری آزادی حاصل ہوگی۔ ذمی اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں بلکہ قانون کی حد میں رہتے ہوئے اسلام پر تنقید بھی کر سکتا ہے، یہ اور ایسے بہت سے حقوق اسلامی دستور میں غیر مسلم رعایا کو دئے گئے ہیں اور یہ مستقل حقوق ہیں جنہیں سوقت تک سلب نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ ہماری ذمہ سے خارج نہ ہو جائیں کوئی غیر مسلم حکومت اپنی مسلم ریاست پر چاہے کتنے ہی ظلم ڈھائے ایک اسلامی ریاست کے لئے اس کے جواب میں اپنی غیر مسلم رعایا پر شریعت کے خلاف دسوسی دست درازی کرنا بھی جائز نہیں! حتیٰ کہ ہماری سرحد کے باہر اگر سارے مسلمان قتل کر دئے جائیں تب بھی ہم اپنی حد میں ایک ذمی کا خون حق کے بغیر نہیں بہا سکتے۔

اسلامی ریاست کے انتظام کی ذمہ داری ایک امیر کے سپرد کر دی جاتیگی، جسے صدر جمہوریہ کے مماثل سمجھنا چاہئے امیر کے انتخاب میں ان تمام بالغ مردوں اور عورتوں کو رائے دینے کا حق ہوگا جو دستور کے اصولوں کو تسلیم کرتے ہوں۔ انتخاب کی بنیاد یہ ہوگی کہ روح اسلام کی واقفیت، اسلامی شہریت، خدا

خدا ترسی اور تہذیب کے اعتبار سے کون شخص سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کا اعتماد رکھتا ہے ایسے شخص کو امارت کے لئے منتخب کیا جائیگا، پھر اس کی ذمہ داری ایک مجلس شوریٰ بنائی جائے گی اور وہ بھی لوگوں کی منتخب کردہ ہوگی، امیر کے لئے لازم ہوگا کہ ملک کا انتظام اہل شوریٰ کے مشورے سے کرے۔ ایک ایسی وقت تک حکمران رہ سکتا ہے جب تک لوگوں کا اعتماد اسے حاصل ہوگا عدم اعتماد کی صورت میں اسے جگہ خالی کرنی ہوگی اور جب تک وہ لوگوں کا اعتماد رکھتا ہے اسے حکومت کے پورے اختیارات حاصل رہیں گے اور وہ شوریٰ کی اکثریت کے مقابلے میں اپنا دیکھو استعمال کر سکیگا امیر اور اس کی حکومت پر عام شہریوں کو کوئی بھی کارپوراتی حق حاصل ہوگا

اسلامی ریاست میں قانون سازی ان حدود کے اندر ہوگی جو شریعت میں مقرر کر دی گئی ہیں۔ خدا اور رسول کے احکام صرف اطاعت کے لئے ہیں کوئی مجلس قانون ساز ان میں رد و بدل نہیں کر سکتی۔ رہے وہ احکام جن میں دُور یا زیادہ تعبیریں ممکن ہیں تو ان میں شریعت کا منشاء معلوم کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو شریعت کا علم رکھتے ہیں اس لئے ایسے معاملات مجلس شوریٰ کی اس سب کمیٹی کے سپرد کئے جائیں گے جو علماء پر مشتمل ہوگی، اس کے بعد ایک وسیع میدان ان معاملات کا ہے جن میں شریعت نے کوئی حکم نہیں دیا ایسے تمام معاملات میں مجلس شوریٰ قوانین بنانے میں دینی حدود کے اندر اندر آزاد ہے

اسلام میں عدالت انتظامی حکومت کے ماتحت نہیں بلکہ براہ راست خدا کی نامزدہ اور اس کی کو جواب دہ ہونے ہے۔ حاکمان عدالت کو مقرر تو انتظامی حکومت ہی کرے گی۔ مگر جب ایک شخص عدالت کی کرسی پر بیٹھ جائے گا تو وہ خدا کے قانون کے مطابق لوگوں کے درمیان بے لاگ انصاف کریگا۔ اور اس کے انصاف کی زد سے خود حکومت بھی بچ نہ سکے گی جتنے کہ خود حکومت کے رئیس اعلیٰ کو بھی مدعی یا مدعی علیہ کی حیثیت سے اس کے سامنے اس طرح حاضر ہونا پڑے گا، جیسے ایک عام شہری ہوتا ہے +

(بیوٹل کوثر)

## شمس الاسلام میں اشتہار دینا کلید کامیابی ہے

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کار سالہ بذریعہ

دی بی آر سال ہوگا۔ جس کے ذریعہ اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ

ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدا را ہوی پی واپس فرما کر اسلامی ادارے کو

ناحق نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا ضرور حوالہ دیں +

غلام حسین منیجر جریدہ شمس الاسلام کھجور